معارف

اپریل ۲۰۱۷ء

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

سالانہ زرتعاون

ہندوستان میں سالانہ ۲۸۰/روپئے۔ فی شمارہ ۲۵/روپئے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۴۸۴/روپئے

دیگر ممالک میں سادہ ڈاک ۱۶۶۰/روپئے۔ دیگر ممالک رجسٹرڈ ڈاک ۱۷۸۰/روپئے

ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۳۰۰/روپئے میں دستیاب۔

پاکستان میں ماہنامہ معارف کے لئے رابطہ کریں

HAFIZ SAJJAD ELAHI

196 - AHMAD BLOCK, NEW GARDEN TOWN

LAHORE (PUNJAB) PAKISTAN

Tel: 0300 - 4682752, (R) 5863609, (O) 7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں۔

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

- زرتعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کردیا جائے گا۔
- معارف کا زرتعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔
- خط وکتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
- کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

Email: shibli_academy@rediffmail.com, info@shibliacademy.org

Website: www.shibliacademy.org

Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh

Account No: 4761005500000051 - IFSC No: PUNB0476100

(Office Mobile) 09170060782

عبدالمنان ہلالی (جوائنٹ سکریٹری/منیجر) نے معارف پریس میں چھپواکر

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی ودینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۱۹۹	ماہ رجب المرجب ۱۴۳۸ھ مطابق ماہ اپریل ۲۰۱۷ء	عدد ۴

فہرست مضامین

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

شذرات

تین سال قبل دارالمصنّفین میں صدی تقریبات کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا بحمداللہ اس کا آخری پروگرام ”معارف صدی سیمینار“ ۲۰-۲۱/ مارچ کو اپنے اختتام کو پہنچا اور اسی پر یہ سلسلہ مکمل ہوگیا۔ شاید ہی کہیں کوئی اور ادارہ ایسا ہو جہاں مسلسل تین صدی تقریبات کی ضرورت پیش آئی ہو۔ تین برسوں پر محیط یہ تقریبات سخت دشوار اور بیحد تھکا دینے والی تھیں۔ اس طرح کے طویل اور صبر آزما سفر کو کامیابی اور خوش اسلوبی سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے جس زادِراہ کی ضرورت تھی اور اس کی جاں گسل درماندگی کے احساس کو کم کرنے کے لیے جو وسائل درکار تھے ان کے فقدان نے اس مہم کو مزید مشکل بنا دیا۔ لیکن اس عظیم ادارہ کی تاریخ میں یہ کوئی نئی بات نہیں تھی اور نہ ہی اس کی کتابِ زندگی کا کوئی نیا اور اجنبی باب۔ علم و دانش کا یہ قافلۂ سخت کوش انہی دشوار وادیوں اور منزلوں سے گذرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہے۔ اور اس کی عظیم الشان خدمات انہی سخت نامساعد حالات کے تسلسل کے دوران انجام پائی ہیں۔ وقت کے لا متناہی تپتے ہوئے صحرا میں سفر اس کا مقدر ٹھہرا اور اس کی بے سنگ و میل پہنائیوں میں کسی نخلستان کی امید اور آرزو سراب ہی ثابت ہوئی۔ بڑی حسرت اور شدید دل گرفتگی کے ساتھ یہ خیال آتا ہے کہ اگر اس ادارہ کو وہ وسائل دستیاب رہے ہوتے جن کی اس طرح کے اداروں کو ضرورت ہوتی ہے اور جو بالعموم ان کو میسر ہوتے ہیں، تو اس نے اور کیا کچھ کرلیا ہوتا اور کتنی مزید کامیابیوں کا سہرا اس کے سر ہوتا۔ بہرحال ان تمام مشکلات اور مسائل کے باوجود اللہ کے فضل و کرم سے تین سال پر محیط یہ تقریبات جس انداز اور معیار پر انجام پائیں اس کا ان حالات میں تصور بھی آسان نہیں تھا۔ شبلی صدی تقریبات تو ایک یادگار کی حیثیت اختیار کرچکی ہیں۔ سلسلۂ شبلی صدی مطبوعات کے تحت جتنی اور جس انداز اور معیار کی کتابوں کی اشاعت کی توفیق نصیب ہوئی اللہ تعالیٰ کے فضل خاص کے بغیر ان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہ تو بڑے بڑے وسائل سے مالا مال ادارے بھی نہ کرسکے۔ اس کا پورا کریڈٹ شبلی اکیڈمی برادری کی انتھک کوشش کو جاتا ہے۔

تلمیذِ شبلی اور معمارِ دارالمصنّفین مولانا سید سلیمان ندوی نے استاد گرامی قدر کی تقریباً تمام دستیاب نگارشات کو بڑی دیدہ ریزی اور تفحص سے جمع کیا اور ان کو مدون و مرتب کرکے شائع کردیا تھا۔ اہل علم ان کی اس گراں قدر خدمت کے لیے ہمیشہ ان کے ممنون رہیں گے۔ لیکن غالباً ان کی غیر معمولی مصروفیات اور زندگی کے اخیر برسوں میں وہ جن حالات سے دوچار رہے ان کی وجہ سے ان کو بعض تحریروں کو شائع کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ان کے بعد بھی یہ کام کسی نہ کسی سبب سے انجام نہیں پاسکا۔ صدی تقریبات کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے اس کام کی تکمیل کی توفیق بخشی۔ چنانچہ سلسلۂ شبلی صدی مطبوعات کے تحت علامہ شبلی کی ان نگارشات کو شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا جن کی اب تک اشاعت نہیں ہوسکی تھی۔ ماہنامہ ”الندوہ“ میں ان کے اداریوں اور ملّی مسائل پر مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہونے والے ان کے مراسلوں کو بالترتیب ”شذرات شبلی“ اور ”مراسلات شبلی“ کے نام سے شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ سیرت طیبہ پر علامہ شبلی کی اولین تالیف ”تاریخ بدء الاسلام“ کی اشاعت پر ایک صدی سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا

تھا۔ نیز ان کی شہرۂ آفاق تصنیف ’’الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی‘‘ کا محقق ایڈیشن ابھی تک شائع نہیں ہوسکا تھا۔ ان دونوں کتابوں کے محقق ایڈیشن شائع کیے گئے جو بڑی دیدہ ریزی سے تیار کیے گئے تھے۔ پہلی کتاب میں اس کی افادیت کو بڑھانے کے مقصد سے اس کا فارسی اور اردو ترجمہ بھی شامل کر دیا گیا ہے جو بالترتیب مولانا حمید الدین فراہی اور بیگم میمونہ سلطان شاہ بانو (بھوپال) کے قلم سے ہے۔ دوسری کتاب میں فاضل محقق نے نہ صرف علامہ شبلی کی دوسری دستیاب عربی تحریروں کو جمع کر دیا ہے بلکہ ان کے متعلق سید رشید رضا کی کئی نہایت قیمتی تحریریں بھی جمع کر دی ہیں جس سے اس کی قدر و قیمت میں بہت اضافہ ہوگیا ہے۔ سو سال سے بھی پہلے علامہ شبلی نے اپنے مضامین کا ایک انتخاب اپنے مقدمہ کے ساتھ ’’رسائل شبلی‘‘ کے نام سے شائع کیا تھا۔ یہ کتاب پھر شائع نہیں ہوسکی تھی۔ اس کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر اس کی اشاعتِ نو کا اہتمام کیا گیا۔ ’’مکاتیب شبلی‘‘ میں شامل فارسی خطوط کا ابھی تک اردو میں ترجمہ نہیں ہوسکا تھا۔ چنانچہ جو لوگ فارسی سے واقفیت نہیں رکھتے وہ ان سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس کا اردو ترجمہ شائع کیا گیا۔ اردو صحافت کی تاریخ میں ماہنامہ الندوہ کو ایک خصوصی مقام حاصل ہے۔ اب اس کے شمارے نایاب ہیں۔ اس کی علمی اور تاریخی اہمیت کے پیش نظر اس کا عکسی ایڈیشن شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اب تک اس کی دو جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ لیکن اس پورے سلسلہ کا لعلِ شب چراغ سیرۃ النبیؐ کی پہلی دو جلدوں کا یادگار ایڈیشن ہے جس کو دیکھنے سے آنکھیں روشن ہوجاتی ہیں۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے نہ صرف علامہ شبلی کے علمی آثار کو بڑے تفحص اور دیدہ ریزی سے جمع کیا اور ان کو مرتب کر کے شائع کر دیا بلکہ ان کی حیات، خدمات اور افکار پر ’’حیات شبلی‘‘ جیسی عظیم الشان کتاب بھی لکھی۔ ’’حیات شبلی‘‘ استاد کے لیے شاگرد کا خراجِ عقیدت ہی نہیں ہے بلکہ اردو سوانحی ادب میں اس کو ایک سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ ’’حیات شبلی‘‘ کی اشاعت پر کم و بیش ۷۵ سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ اس طویل مدت میں دنیا کے طول و عرض میں علامہ شبلی کی علمی، فکری اور ملی خدمات پر بہت کچھ لکھا گیا البتہ اس میں کسی نہ کسی سبب سے دارالمصنّفین کا حصہ نہیں کے برابر ہے۔ اس پورے عرصے میں اس موضوع پر صرف دو مختصر کتابیں یہاں سے شائع ہوئی ہیں۔ ایک ’’مولانا شبلی پر ایک نظر‘‘ جو کوئی مستقل کتاب نہیں بلکہ ’’حیات شبلی‘‘ کا ایک مختصر خلاصہ ہے اور جو دراصل ساہتیہ اکیڈمی کے لیے لکھا گیا تھا۔ اس کے علاوہ انگریزی میں مولانا کی ایک مختصر سوانح حیات "Muhammad Shibli" کے نام سے شائع کی گئی۔ اس صورت حال کے لیے جو بھی اسباب ذمہ دار رہے ہوں یہ امر واقعہ ہے کہ یہ ایک بڑی کمی تھی۔ گذشتہ چند برسوں میں اس کمی کی تلافی کی کوشش کی گئی ہے۔ سلسلۂ شبلی صدی مطبوعات سے پہلے ہی اس کی ابتدا کر دی گئی تھی اور ’’آثار شبلی‘‘، ’’کتابیات شبلی‘‘ اور ’’شبلی کی ادبی و فکری جہات‘‘ شائع کی جاچکی تھیں۔ شبلی صدی مطبوعات کے تحت اس سلسلہ کو آگے بڑھانے کا اہتمام کیا گیا۔ ’’شبلی کی آپ بیتی‘‘ علامہ شبلی کی اپنی تحریروں پر مشتمل ہے لیکن ان کو اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ ان کی پوری زندگی کا ایک نہایت دلکش خاکہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ علامہ شبلی کی زندگی میں سرسید سے لے کر ان کے تلامذہ تک جن حضرات نے ان کے بارے میں جو کچھ بھی لکھا ہے اس کا ایک نہایت وقیع

مجموعہ ''شبلی شناسی کے اولین نقوش'' کے نام سے شائع کیا گیا۔ انگریزی زبان میں علامہ شبلی کی شخصیت اور خدمات کا چنداں تعارف نہیں ہوسکا ہے۔ اس کمی کی تلافی کے لیے "Muhammad Shibli-Life and Contributions" شائع کی گئی۔ اس سے پہلے ہندی میں ایک مختصر سوانح عمری شائع کی جاچکی تھی۔ اس کے علاوہ معارف کا ''شبلی نمبر''، ''شبلی ایک دبستان'' اور شبلی سیمینار مقالات کا مجموعہ ''مطالعات شبلی'' کے نام سے شائع کیا گیا۔ لیکن اس سلسلہ کی سب سے اہم پیش کش ''حیات شبلی'' کا نیا ایڈیشن ہے جس میں اشاریہ کا اضافہ کردیا گیا ہے اور اس طرح اس اہم کتاب سے استفادہ بہت آسان ہوگیا ہے۔

اس سلسلہ کی دوسری تقریب دارالمصنّفین صدی سیمینار تھا جو ''دارالمصنّفین، اس کے معمار، رفقاء اور خدمات'' کے عنوان پر ۱-۲/نومبر کو انعقاد پذیر ہوا۔ اس کی روداد معارف میں شائع ہوچکی ہے۔ بعض ناگزیر اسباب کی وجہ سے اس میں پیش کیے جانے والے مقالات کا مجموعہ ابھی تک شائع نہیں ہوسکا ہے، انشاء اللہ جلد اس کی اشاعت کی توقع ہے۔ دارالمصنّفین اور اس کے رفقاء کے تعلق سے جو کتابیں شائع ہوئیں ان میں ''دارالمصنّفین کے سو سال''، ''متاع رفتگاں''، ''یہود اور قرآن مجید'' شامل ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا شبلی کے ممدوح مولانا الطاف حسین حالی کی یاد میں ایک سیمینار منعقد کیا گیا جس کے مقالات کا مجموعہ ''مولانا الطاف حسین حالی کی یاد میں'' اور ان کی اہم تصنیف ''حیات سعدی'' کا محقق ایڈیشن بھی شبلی صدی مطبوعات کے تحت شائع کیا گیا۔ ''الفاروق''، ''سیرت عائشہؓ''، ''خطبات مدراس''، ''عرب و ہند کے تعلقات''، ''دین رحمت'' اور ''ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کی مذہبی رواداری'' کے ہندی تراجم بھی اسی میں شامل ہیں۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب کے قلم سے نکلی ہوئی وفیات بھی تیاری کے مراحل میں ہے۔

اس سلسلہ کا تیسرا اور آخری سیمینار ''معارف صدی سیمینار'' کے عنوان سے ۲۰-۲۱/مارچ کو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے اشتراک سے منعقد کیا گیا۔ اس کے مہمان خصوصی ڈاکٹر اسلم پرویز صاحب، وائس چانسلر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد تھے۔ انہوں نے افتتاحی اجلاس کی صدارت بھی فرمائی۔ کلیدی خطبہ مشہور محقق ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی (ریاض) نے پیش کیا۔ اس کے پانچ علمی اجلاسوں میں ملک کے مختلف علمی مراکز سے آئے ہوئے اہل علم نے ۳۲ مقالے پیش فرمائے جن میں معارف کے امتیازات اور اس کی مختلف الجہات خدمات کا جائزہ لیا گیا تھا۔ آپ سے زیادہ اس بات سے کون واقف ہے کہ معارف ایک عام رسالہ نہیں بلکہ علم و دانش کا ایک دائرۃ المعارف ہے اور اس کی خدمات اور محتویات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ کسی ایک سیمینار میں ان کا جائزہ لینا ممکن نہیں۔ معارف کے تعلق سے ابھی صرف اس کا ایک خاص نمبر ''ہندوستانی مسلمان۔ شذرات معارف کے آئینہ میں'' شائع کیا گیا ہے جو دو جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کو بہت قبولِ عام حاصل ہوا ہے۔ مختلف موضوعات پر معارف میں شائع ہونے والے منتخب مقالات کے متعدد مجموعوں کی اشاعت پیشِ نظر ہے۔

مقالات

حافظ ابن حجر العسقلانی اوران کا نادر نسخہ "ہدی الساری" (نسخۂ کاندھلہ)

مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی

(۳)

خطی نسخوں کے علمی مقام کی تحقیق و تعیین کا منہج: اہل نظر صاحب فن لوگوں نے مخطوطات کی اہمیت جاننے اوران کے متون کو فنی ترتیب اوراعلی معیار کے مطابق پیش کرنے کے لیے مخطوطات کو کئی قسموں پر منقسم کردیا ہے۔ نسخۂ مصنف کے علاوہ ہر دور کے مختلف علاقوں اور مختلف الحیثیات اصحاب وعلماء کے لکھے ہوئے نسخے بھی ہوتے ہیں۔ ان نسخوں کی باہمی ترتیب وتقسیم کیا ہونی چاہیے اوران سے درجہ بہ درجہ کس طرح فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اس کے لیے ہدی الساری کے معلوم خطی نسخوں کو بھی استنادی وتاریخی اہمیت کے لحاظ سے کئی حصوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ وہ نسخے جو مصنف کے قلم کے لکھے ہوئے ہیں یا مصنف کے تصحیح کیے ہوئے ہیں۔

۲۔ وہ نسخے جن کو مصنف نے پڑھایا ہے یا مصنف کے درس میں استعمال ہوئے ہیں اور ان میں مصنف کی قرأت کے مطابق تصحیح کی صراحت ہے۔

۳۔ وہ نسخے جن کو مصنف نے دیکھا ہو اوران پر اپنے قلم سے اس کتاب کی قرأت کی صراحت اوراس کے درس کی اجازت تحریر کی ہو۔

بعض نسخوں میں یہ دونوں صفتیں جمع ہوجاتی ہیں کہ مصنف نے ان میں پڑھایا بھی ہے، ان کی تصحیح بھی کی ہے اوران پر اپنے شاگردوں کو اجازت سے بھی نوازا ہے۔

مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، مولویان، کاندھلہ، شاملی (مظفرنگر) یوپی۔ Email:nhrashidkandhlavi@yahoo.com

۴- وہ نسخے جو نسخۂ مصنف سے نقل کیے گئے ہوں۔

۵- وہ نسخے جو مصنف کی زندگی میں لکھے یا نقل کیے گئے ہوں۔

۶- وہ نسخے جو اگرچہ مصنف کے شاگردوں کے قلم سے ہوں، مگر ان پر مصنف کے نسخہ سے مقابلہ کی اور مصنف سے پڑھنے کی صراحت نہ ہو۔

۷- وہ نسخے جو کسی ممتاز عالم یا محدث نے نقل کیے ہوں یا ان میں کسی بڑے محدث یا عالم نے پڑھایا ہو، ان کی تصحیح کی ہو یا ان کی اجازت دی ہو۔

۸- عام نسخے جن کا بظاہر کوئی امتیاز یا علمی خصوصیت نہ ہو، ان کی سن کتابت کی ترتیب پر درجہ بندی کی جاسکتی ہے، مثلاً ہدی الساری کے آخری دور کے نسخے بھی تاریخ کتابت کے لحاظ سے دو طرح سے علاحدہ کیے جاسکتے ہیں:

الف: ۱۰۰۰ھ تک کے لکھے ہوئے نسخے۔　ب: ۱۰۰۱ھ کے بعد کے مکتوبہ نسخے۔

ہدی الساری کے خطّی نسخے جو موجود ہیں: ہدی الساری کی تالیف کے وقت سے اس کی نقلیں لینے، مصنف سے پڑھنے اور اس کے نسخوں اور فوائد و نکات کو عام کرنے کا سلسلہ بڑے پیمانہ پر شروع ہوگیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہدی الساری کی تالیف پر سوا چھ سو سال (تالیف: ۸۱۳ھ) گزرنے اور بیشتر علمی ذخیروں، کتب خانوں اور نظام حکومت و مملکت درہم برہم ہونے کے باوجود دنیا کے معلوم کتب خانوں اور ذاتی ذخیروں میں ہدی الساری کے پچاسوں نسخے موجود ہیں، جو مصنف کے عہد سے چودہویں صدی ہجری تک لکھے گئے ہیں۔(۱)

ان میں سے اکثر نسخوں کی بروکلمان اور سزگین نے نشاندہی کی ہے، سزگین کی اطلاعات پر ڈاکٹر نجم عبدالرحمٰن خلف کی تلاش سے خاصا اضافہ ہوا ہے، مگر اس وسیع تلاش و تحقیق کے باوجود ہدی الساری کے اور بھی بہت سے نسخے ایسے ہیں، جن کا عالمی فہارس اور مراجع میں تذکرہ نہیں آیا۔ تلاش کیا جائے تو اور ملکوں کے علاوہ، ہند و پاکستان کے کتب خانوں میں بھی ہدی الساری کے بیسیوں نسخے دریافت ہوں گے، ایسے ہی گمنام وغیر متعارف نسخوں میں سے ایک نہایت اہم، ممتاز اور قابل قدر نسخہ وہ ہے، جو ہمارے ذخیرۂ کتب کی زینت ہے۔

ہدی الساری کا یہ قیمتی نسخہ اس کتاب کی تالیف کے صرف سات سال بعد مدرسہ ناصریہ، قاہرہ

میں محرم الحرام ۸۲۰ھ (مارچ ۱۴۱۷ء) میں نقل کیا گیا تھا، کاتب نسخہ کے الفاظ سے محسوس ہوتا ہے کہ کاتب حافظ ابن حجر کا شاگرد ہے۔ اس نسخہ میں حافظ ابن حجر نے پڑھایا بھی ہے، اس کے ورق ورق پر حافظ ابن حجر کے قلم سے سماعات و بلاغات کی صراحت ہے، اس میں حافظ نے کثرت سے اضافے بھی کیے ہیں، پہلے مسودہ کی متعدد عبارتوں کو قلم زد بھی کیا ہے، بعض موقعوں پر جب متعلقہ صفحات پر کسی اضافہ کی جگہ نہیں رہی تو یہ اضافہ، فائدہ علاحدہ کاغذ پر لکھ کر اس صفحہ پر چپکا دیا ہے۔ یعنی یہ نسخہ حافظ کے مطالعہ و استعمال میں رہے اہم ترین نسخوں میں شامل ہے، اس کا مفصل تعارف آ رہا ہے، اس سے پہلے ہدی الساری کے چند اور خطی نسخوں کا کچھ تعارف پیش کیا جاتا ہے:

اگرچہ ہدی الساری کے بیسیوں نسخے پوری دنیا کے کتاب خانوں کی زینت ہیں، مگر افسوس ہے کہ ان کی مفصل فہرست مرتب اور دستیاب نہیں، جس میں ان کا مفصل تعارف یا ان کے امتیازات کا تذکرہ ہو۔ اگر اس قسم کے تمام نسخوں کی جستجو کر کے ان کی مفصل فہرست تیار کی جائے، تو خیال ہے کہ اس طرح کے کم سے کم سو نسخے دریافت ہوں گے۔ ہندوستان کے کتب خانوں میں بھی ایسے کئی نسخے موجود ہیں، جو ہدی الساری کی تحقیق اور نئی تدوین میں مددگار ہو سکتے ہیں۔ یہاں تمام نسخوں کے تذکرہ کا موقع نہیں۔ تاہم ہدی الساری کے چند نسخوں کی جزوی معلومات پیش ہیں، جس میں سے چند بالکل نئی ہیں، امید ہے کہ مفید ہوں گی۔

مکتوبہ ۸۱۸ھ مدینہ منورہ: ہدی الساری کے جو نسخے اس وقت تک معلوم اور علمی دنیا میں متعارف ہیں، ان میں سب سے پرانا نسخہ وہ ہے جو ہدی الساری کی تالیف کے صرف پانچ سال بعد ۸۱۸ھ (۱۴۱۵ء) میں لکھا گیا تھا۔ اس نسخہ کے ابتدائی صفحات موجود نہیں مگر ان پر تصحیحات و تعلیقات ہیں، لیکن یہ صراحت نہیں کہ یہ نسخہ نسخۂ مصنف کی نقل ہے یا مصنف کے سامنے پڑھا گیا ہے۔ عمر رضا کحالہ نے **المنتخب من مخطوطات المدينة المنورة** میں اس نسخہ کا ان الفاظ میں تعارف کرایا ہے:

مقدمة فتح الباري لابن حجر العسقلاني نسخه مخرومة الاول، عدد صفحاتها ۳۹۳ عليها تصحيحات و تعاليق، تاريخ نسخها ۸۱۸ھ۔(۲)	یعنی یہ نسخہ ۸۱۸ھ کا لکھا ہوا ہے، ابتدائی صفحات ناکارہ ہیں، اس پر تصحیحات اور افادات بھی ہیں، یہ نسخہ تین سو ترانوے صفحات پر مشتمل ہے۔

نسخۂ کاندھلہ مکتوبہ ۸۲۰ھ بخط محمد بن الجاہ الحضرمی: اس کا اجمالی تذکرہ ہو چکا ہے مفصل تعارف آخری صفحات میں آرہا ہے۔

مکتوبہ ۸۲۲ھ (جامعۃ الامام محمد بن سعود، ریاض): بخط علامہ سراج الدین، قاری الہدایہ۔(۳)

دار العلوم الاسلامیہ پشاور (پاکستان): کے ذخیرہ میں (ہدی الساری) کا ایک عمدہ اور نہایت قدیم نسخہ ہے، جو اس فہرست کی اطلاع کے مطابق ۸۳۳ھ م (۱۴۳۱ء) کا لکھا ہوا ہے۔ مگر مرتب فہرست نے اس کو فتح الباری قرار دیا ہے، جو صحیح معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ فتح الباری تو رجب ۸۴۲ھ میں مکمل ہوئی تھی۔(۴) فتح الباری کی تصنیف کی تکمیل سے دس سال پہلے نقل ہونے والا نسخہ ہدی الساری کا ہوسکتا ہے فتح الباری کا نہیں ہوگا۔(۵)

مکتوبہ ۸۴۰ھ: یہ نسخہ نسخۂ مصنف سے نقل کیا گیا ہے، نسخۂ مولف سے اس کا مقابلہ بھی ہوا ہے۔ یہ نسخہ عراقی میوزیم میں موجود ہے۔(٦)

مکتوبہ ۸۴۵ھ (رضا لائبریری، رام پور، ہند): یہ نسخہ موسیٰ بن عمران کے منقولہ نسخہ سے ۸۴۵ھ میں نقل کیا گیا تھا، جو مختلف اصحاب کے قلم سے ہے۔ ۸۴٦ھ میں حضرت مولف حافظ ابن حجر کے درس میں پڑھا گیا ہے۔ یہ نسخہ ہندوستان کے ایک عہدہ دار امین خان حسین بہادر فیروز جنگ کو پیش کیا گیا تھا۔ رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے۔

مکتوبہ ۸۴۵ھ: ایک اور نسخہ جو ربیع الاول ۸۴۵ھ میں کتابت ہوا، دار الکتب المصریہ میں ہے، مجھے اس کی تفصیلات معلوم نہیں۔

مکتوبہ ۳/صفر ۸۵۱ھ: بخط محمد بن صدقہ المالکی وعلیہ خط الحافظ ابن حجر (دار الکتب الظاہریہ، دمشق) (۷) اس نسخہ کا نواف بن محمد عبداللہ الرشید نے اپنی تحریر میں ذکر کیا ہے۔ یہ نسخہ محمد بن صدقہ مالکی کے قلم سے ہے جو کہ حافظ شہاب الدین بقاعی کی ملکیت میں بھی رہا ہے، اس کے آخری ورق پر حافظ ابن حجر کے قلم سے شہاب الدین بقاعی کے لیے اجازت بھی تحریر ہے۔

مکتوبہ ۸۵۳ھ: اس نسخہ کے آخر میں مولف (حافظ ابن حجر) کے قلم سے سماعت کی تحریر درج ہے۔

مکتوبہ ۸۵۸ھ: یہ نسخہ جامعۃ الملک سعود ریاض میں ہے۔ اس کو شیخ محمد بن عبدالحق بن احمد النشاطی القاہری الشافعی (وفات: ۸۷۰ھ) نے نقل کیا تھا۔

مکتوبہ ۸۶۳ھ: (مکتبہ حرم مکی) یہ نسخہ مکتبۂ حرم مکی میں محفوظ ہے۔(نمبر ۳۶۴ حدیث)(۸)

مکتوبہ ۸۹۶ھ: یہ نسخہ مصنف کے نسخہ سے نقل کیا گیا ہے۔(۹)

مکتوبہ ۹۶۵ھ: (متحف عراقی) یہ نسخہ عراقی عجائب گھر کی لائبریری میں موجود ہے، چھ سو اٹھارہ صفحات پر مشتمل ہے۔(رقم ۲۹۶۹)(۱۰)

مکتوبہ دسویں صدی ہجری: (متحف عراقی)عراقی عجائب گھر لائبریری میں، ہدی الساری کے اور نسخے بھی محفوظ ہیں۔ یہ نسخہ دوسو اٹھائیس ورق پر مشتمل ہے اور دسویں صدی ہجری کا لکھا ہوا ہے۔ (رقم: ۸۹۸۷)

مکتوبہ ۱۰۰۰ھ (خدا بخش، پٹنہ، ہند): یہ نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے۔(۱۱)

مکتوبہ گیارہویں صدی ہجری (وزارۃ الاوقاف، کویت): وزارۃ الاوقاف، کویت کے خطی ذخیرہ میں ایک قلمی نسخہ ہے جس پر سن کتابت درج نہیں، مگر اس پر گیارہویں صدی ہجری کے بعض علماء خصوصاً شیخ عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد اسکندرانی مالکی متوفی ۱۰۶۰ھ (۱۲) کی تحریریں ہیں۔ یہ نسخہ ایک سو چورانوے صفحات پر مشتمل ہے۔(۱۳)

مکتوبہ ۱۱۰۰ھ (خدا بخش پٹنہ): خدا بخش لائبریری پٹنہ ہند میں ہدی الساری کا ایک اور نسخہ موجود ہے جو خط نسخ میں ایک سو چالیس اوراق پر مشتمل ہے، فی صفحہ ۳۳/سطور ہیں۔ (۱۴)

مکتوبہ ۱۱۱۱ھ: خدا بخش لائبریری پٹنہ۔(۱۵)

مکتوبہ ۱۱۱۵ھ (جامعۃ الملک سعود، ریاض): ایک نسخہ جو ۱۱۱۵ھ کا لکھا ہوا ہے، تین سو انیس اوراق پر مشتمل ہے۔(رقم: ۳۳۷۴)(۱۶)

مکتوبہ ۱۱۲۹ھ (مکتبہ اوقاف سلیمانیہ، عراق): ہدی الساری کا ایک اور نسخہ جو قاضی القضاۃ عبدالقادر آفندی مکہ مکرمہ کے قلم سے ۱۱۲۹ھ میں نقل ہوا، مکتبہ اوقاف سلیمانیہ عراق میں محفوظ ہے۔(۱۷)

مکتوبہ ۱۱۴۱ھ (خدا بخش پٹنہ): خدا بخش لائبریری میں محفوظ نسخوں میں سے ایک نسخہ ۱۱۴۱ھ کا مکتوبہ ہے۔(۱۸)

مکتوبہ ۱۱۶۸ھ (ندوۃ العلماء، لکھنؤ از خزانہ علامہ محمد بن اسماعیل الامیر یمانی): شبلی لائبریری، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، ہند کے مخطوطات میں ہدی الساری کا ایک گراں قدر نسخہ محفوظ ہے۔(۱۹) جو

ندوہ میں غالباً مولانا نواب صدیق حسن خاں قنوجی بھوپال کے ذخیرہ سے آیا ہے، مگر ندوہ کی فہرست مخطوطات میں اس کا واضح تعارف نہیں ہے۔ راقم سطور نے یہ نسخہ دیکھا ہے، یہ بہت اہم نسخہ ہے۔ بعض تفصیلات درج ذیل ہیں۔ یہ نسخہ جمادی الاخریٰ ۱۱۶۸ھ (اپریل ۱۷۵۵ء) کا لکھا ہوا ہے۔ ترقیمۂ کاتب ملاحظہ ہو:

"وکان الفراغ من رقمه، یوم الثلاث۔ ۲۶/ جمادی الاخری ۱۱۶۸ھ"

یہ نسخہ صاف تحریر میں، باریک خط نسخ میں کتابت کیا گیا ہے، فی صفحہ عموماً ۲۴/۲۳ سطور ہیں، مکمل نسخہ تین سو چھیانوے صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے سرورق کے بائیں کونے میں یہ الفاظ تحریر ہیں:

"الحمد لله من خزانة مولانا امیر المؤمنین و سید المسلمین، المهدي لدین الله ۔۔۔ العالمین، العباس بن امیر المؤمنین المنصور بالله ۔۔ شهر شعبان الکریم ۱۱۸۷ھ۔"

اگرچہ صراحت نہیں کہ یہ نسخہ کس نسخہ سے نقل کیا گیا تھا، مگر سرورق پر درج ایک فقرہ سے خیال ہوتا ہے کہ ناقل کے سامنے غالباً نسخۂ مولف موجود تھا۔ کاتب نسخہ نے لکھا ہے:

قال المؤلف، انه کمل تالیف المقدمة هذه، في سنة ثلاث عشر و ثمان مائة، و انه اشتمل علی جمیع مقاصد الشرح سوی الاستنباط۔

اس کے بعد جو کلمات لکھے ہیں وہ قابل توجہ ہیں۔ تحریر ہے:

من خطه (ای خط المصنف)۔

یہ نسخہ حاکم یمن امیر المومنین المہدی لدین اللہ نے شیخ علی بن صالح العماری کو ہبہ کر دیا تھا، کتاب کے پہلے ورق پر شیخ علی ابن صالح نے اس کی وضاحت کی ہے:

"للفقیر علي بن صالح العماري بالهبة" (۲۰)

اسی ورق پر چند اور اصحاب کی ملکیت کی تحریریں بھی ثبت ہیں:

الف: من کتب - الفقیر الی الله تعالیٰ - اسماعیل بن محمد بن احمد بن الحسین۔

ب: من کتب - الفقیر الی الله تعالیٰ - احمد علي بن عثمان بن ۔۔۔

ج: الحمد لله وحده فی ملک - الفقیر الی الله عزوجل بالشراء من الشیخ العلامة۔ عمر بن ابراهیم السندی بواسطة الحاج قتاد کناج بن میر الدین السلیمان بثمن

۱۲۴۶ھ۔

مکتوبہ ۱۲۲۵ھ (بخط علامہ شیخ محمد عابد سندھی): مدینہ منورہ کے کتب خانہ محمودیہ میں، ہدی الساری کے جو نسخے محفوظ ہیں، ان میں سے ایک نسخہ کا (جو ہدی الساری کا قدیم ترین معلوم نسخہ ہے) تذکرہ آچکا ہے، اسی کتب خانہ میں ایک نسخہ اور ہے جو نامور عالم اور محدث علامہ محمد عابد سندھی کے قلم کی یادگار ہے، اس کی کتابت ۱۲/ جمادی الاول ۱۲۲۵ھ (جون ۱۸۱۰ء) کو مکمل ہوئی تھی۔ یہ نسخہ روانی تحریر کی بھی ایک مثال ہے، علامہ سندھی نے اس کو چند دنوں میں نقل کرلیا تھا، اس میں فی صفحہ ۸۳ سطور ہیں اور مکمل کتاب ہدی الساری صرف ۶۱ اوراق میں مکمل ہوگئی ہے، علامہ سندھی نے تحریر فرمایا ہے:

وكان الفراغ من نسخ مقدمة فتح الباري هدى الساري أول نهار السبت، ثاني عشر من جمادى الاول من شهور سنة اثنتى عشر مائة وخمس وعشرين ۱۲۲۵ھ۔(۲۱)

ایک سال بعد ۱۲۲۶ھ میں کاتب نے اس کا اصل سے مقابلہ اور تصحیح کی تھی۔ علامہ سندھی فرماتے ہیں:

الحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات، وقد كملت لها بحمد الله تعالىٰ وعنايته، فصحت المقدمة من اولها الى آخرها، في ۲۳/ شعبان ۱۲۲۶ھ۔

مکتوبہ ۱۲۸۹ھ (علی گڑھ): مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ میں بھی، ہدی الساری کا ایک نسخہ محفوظ ہے جو ہندو پاکستان کے آخری دور کے ایک بہت بڑے عالم، محدث اور محقق علامہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے جمادی الثانی ۱۲۸۹ھ (۱۸۷۲ء) کے قریب نقل کرایا تھا۔

یہ نسخہ صاف نستعلیق خط میں نقل ہوا ہے، تحریر واضح رواں اور پختہ ہے، فی صفحہ عموماً اکیس سطریں ہیں، تین سو چورانوے اوراق میں مکمل ہوا ہے۔ اس نسخہ کے حوالہ سے یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس نسخہ کا کاتب، ایک غیر مسلم ہندوستانی (ہندو) ہے۔ آخر میں وضاحت ہے۔

"آخر مقدمة فتح البارى شرح البخارى، تاليف الشيخ الامام، شيخ الاسلام، افقه الانام، حافظ عصره، وحيد دهره، سلطان المحدثين، رحلة الطالبين، شهاب الملة والدين، ابى الفضل والفضائل، موضح المشكلات والأرامل، احمد بن على بن حجر العسقلانى الشافعي، تغمده الله برحمة واسعة واسكنه فسيح جنته بمنه وكرمه"۔

اس کے بعد تاریخ کتابت اور کاتب کے نام ''امراؤ سنگھ'' کی اسی طرح صراحت ہے:

''تمام شد کتابت ہذا، بتاریخ بست وششم، ماہ جولائی ۱۸۷۲ء بقلم امراؤ سنکھ، ساکن اشرف آباد''۔

اس نسخہ کے پہلے صفحہ پر علامہ عبدالحی فرنگی محلی کی تحریر اور مہر بھی ثبت ہے، لکھا ہے:

من منح اللہ تعالیٰ، تملیکہ ھذا الکتاب المستطاب لعبدہ ابی الحسنات محمد عبدالحی اللکھنوی، ابن المرحوم مولانا عبدالحکیم، فی الجمادی الثانیة ۱۲۸۹ھ بالاستکتاب بعوض لعہ (نو) روپے۔

مہر ابوالحسنات محمد عبدالحی

ملاحظہ ہو کہ غیر مسلم (ہندو) ایسا فاضل اور اچھی عربی جاننے والا تھا کہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے ہدی الساری جیسی اہم علمی کتاب اس سے نقل کرائی (۲۲) اس بڑی کتاب کی اجرت نقل صرف نو روپے تھی، آج نو روپے میں صرف نو صفحات کا فوٹو اسٹیٹ ہوسکتا ہے، ایک صفحہ کی اچھی نقل پچاس روپے سے کم ہونی آسان نہیں۔

آخری معلوم نسخہ، مکتوبہ تقریباً ۱۳۴۵ھ (کاندھلہ): ہدی الساری کے اہم ترین اور قدیم ترین نسخہ (مکتوبہ ۸۲۰ھ) کو کاندھلہ (شاملی، مظفر نگر، یوپی۔انڈیا) میں تین سو سال سے یہاں محفوظ رہنے کا اعزاز حاصل ہے۔ہدی الساری کے زیر تعارف نسخوں کا اختتام بھی ایسے ہی نسخہ پر ہورہا ہے، جس کی کاندھلہ میں کتابت وتحریر ہوئی ہے۔اس کے بعد نقل وکتابت ہوئے کسی بھی نسخہ کا راقم سطور کو علم نہیں۔ یہاں کے ایک عالم مولانا محمد اسماعیل بن محمد اسحاق کاندھلوی (وفات: ۱۳۶۰ھ م ۱۹۴۰ء) (۲۳) نے تقریباً ۱۳۴۵ھ میں نقل کیا تھا۔ یہ نسخہ مولانا الشیخ اسماعیل کے نامور فرزند اور بڑے عالم ومصنف مولانا محمد ادریس الکاندھلوی کے ذاتی ذخیرۂ کتب میں لاہور میں موجود تھا۔مولانا کی وفات کے بعد کا حال مجھے معلوم نہیں۔

نسخۂ کاندھلہ (مکتوبہ ۸۲۰ھ) کا مفصل تعارف چند صفحات کے بعد آرہا ہے۔

ہدی الساری کا منظوم متن اور تلخیصات: ہدی الساری کی تعلیم واجازت اور نقل وروایت، علمائے محدثین کا ایک خاص معمول تھا، چند علماء نے ہدی الساری کے خلاصے مرتب کرنے کی کوششیں فرمائیں، چند اور علماء اور اہل فن نے اس کے نادر مباحث کو نظم کرکے اس کے مضامین کو آسان کرکے

اہل نظر تک پہنچانے کی کوششیں فرمائیں۔

ممتاز فقیہ اور ادیب شیخ حمدون بن عبدالرحمٰن الفاسی المالکی (۲۴) نے جو ابن الحاج کے نام سے معروف تھے، ہدی الساری کو نظم کیا، پھر اس کی شرح لکھی اور اس کا نام ''مسک الدراری لقاري صحيح البخاري'' رکھا، یہ نظم مع شرح کے شائع ہو چکی ہے (۲۵)۔ الزرکلی نے الاعلام میں اس کا ذکر کیا ہے، مگر اس کا نام ''نفحة المسک الداری لقاری صحيح البخاري'' نقل کیا ہے۔ (۲۶)

اس کا ایک خطی نسخہ دار الکتب الازہریہ مصر میں ہے، اس نسخہ کے پہلے صفحہ پر اس کا نام اس طرح تحریر ہے: ''نظم هدی الساری مقدمة فتح البارى للشيخ ابي الفيض احمد بن حمدون ابن الحاج السلمي'' (اس کے سرورق کا عکس راقم کے سامنے ہے) اس میں ایک قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ مطبوعہ مراجع وماخذ میں مصنف کا نام حمدون بن عبدالرحمٰن لکھا ہوا ہے، مگر خطی نسخہ پر ابوالفیض احمد بن حمدون تحریر ہے، جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ ہدی الساری کے نظم کرنے اور شرح کرنے والے شاید علاحدہ علاحدہ باپ بیٹے ہوں گے؟

ہدی الساری کی اہم طباعتیں: ہدی الساری سب سے پہلے مطبع بولاق، مصر سے ۱۳۰۰ھ (م ۱۸۸۳ء) میں شائع ہوئی تھی، جو فتح الباری کی طباعت اور مجلدات کا ایک حصہ تھی۔ بولاق کی اس طباعت میں حاشیہ پر صحیح بخاری، متن میں فتح الباری تھی اور ایک علاحدہ جلد، ہدی الساری کے لیے مختص کی گئی تھی۔ اس کے بعد ہدی الساری ۱۳۲۵ھ میں مطبع خیریہ مصر سے شائع ہوئی تھی۔

فتح الباری کی ابتدائی طباعتوں میں سے ایک اہم طباعت وہ ہے جو غالباً ۱۳۰۴ھ (م ۸۷-۱۸۸۶ء) میں مطبع انصاری دہلی سے چھپنی شروع ہوئی تھی، ۱۳۱۰ھ (م ۹۳-۱۸۹۲ء) کے بعد یہ کام مکمل ہوا۔ (۲۷) (سعودی عرب کے معروف ہندوستانی محقق) جناب ابوالاشبال احمد شاغف صاحب کا قول ہے کہ فتح الباری اور ہدی الساری کی تمام طباعتوں میں صحیح ترین طباعت یہی (مطبع انصاری دہلی) کی اشاعت ہے۔ (۲۸)

ہندوستان میں ہدی الساری کی ایک اور ممتاز طباعت وہ ہے، جو ریاست بھوپال کی والیہ سلطان جہاں بیگم یا مولانا منشی جمال الدین (دارالمہام ریاست بھوپال) کی ہدایت کے مطابق بھوپال سے شائع ہوئی تھی۔ (۲۹)

یہاں یہ ذکر کردینا ضروری ہے کہ حافظ ابن حجر کی تصانیف کی طباعت واشاعت پر سب سے پہلے ہندوستانی علما اور اہل نظر نے توجہ کی، حافظ کی تصانیف میں سے سب سے پہلے دو کتابیں شائع ہوئیں تھیں۔ نخبۃ الفکر کلکتہ سے شائع ہوئی، اس کے بعد اس کی شرح تالیف شیخ وجیہ الدین گجراتی، مطبوعہ فخر المطابع دہلی سے ۱۲۷۱ھ (۵۵-۱۸۵۴ء) میں تقریب التہذیب ۱۲۷۲ھ (م ۵۶-۱۸۵۵ء) میں دہلی کے مطبع احمدی سے چھپی۔ متون صحاح کے بہت بڑے خادم، مصحح اور ناشر حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوری نے اپنے مطبع احمدی دہلی سے تقریب التہذیب کی طباعت کا انصرام کیا تھا۔ (۳۰)

الکاف الشاف في تخریج أحادیث الکشاف بھی اول ہندوستان میں طبع ہوئی، **القول المسدد في الذب عن مسند أحمد** کی پہلی طباعت بھی ہندوستان کے حصہ میں آئی، **الخصال المکفرۃ عن الذنوب المتقدمۃ و المتأخرۃ** بھی ہندوستان میں طبع ہوئی، **الدرر الکامنہ** اور **انباء الغمر** کی پہلی اشاعت بھی ہندوستان کے مقدر میں تھی۔ ان کے علاوہ بھی حافظ کی کئی تصانیف ہیں، جن کی سب سے پہلی طباعت ہندوستان میں ہوئی ہے۔

فتح الباری کا بولاق مصر سے شائع مکمل نسخہ جو اپنی خصوصیات اور صحت طباعت میں آج بھی بہت ممتاز ہے اور فتح الباری کے بنیادی اور معتمد نسخوں میں گنا جاتا ہے، اس کی طباعت بھی اہل ہند کی توجہ اور علمی ذوق کی مرہون منت ہے۔

مطبع بولاق سے فتح الباری اور ہدی الساری کی طباعت کا ایک ہندوستانی عالم مولانا منشی جمال الدین کتانوی (۳۱) نے اہتمام کیا تھا، مولانا منشی جمال الدین ریاست بھوپال ہند کے مدار المہام (وزیر اعظم) تھے۔ منشی جی نے فتح الباری کی طباعت کے لیے تین علما کو بڑی رقم دے کر مصر بھیجا تھا، ان تینوں کی محنت توجہ اور نگرانی سے یہ نسخہ چھپ کر مکمل ہوا، جس کو نسخۂ بولاق کہا جاتا ہی **فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء**۔

ہدی الساری کے اردو ترجمے: ہندوستان کے علماء نے ہدی الساری کے قدیم نسخے حاصل کیے، خود نقل کیے، کاتبوں سے اپنے لیے تیار کرائے، ہدی الساری کی کئی طرح سے خدمت کی اور اس کے فیوض کو عام کرنے کی کوششیں فرمائیں، ان ہی کوششوں کا ایک خاص حصہ یہ ہے کہ ہندی علماء نے فتح الباری

کے ہندو پاکستان کے مسلمانوں کی عام اور علمی زبان اردو میں مکمل ترجمے کیے۔ مجھے کسی اور زبان میں فتح الباری کے کامل ترجمہ کا علم نہیں، لیکن اردو میں فتح الباری کے کم سے کم تین ترجمے ہوئے ہیں، جس میں سے ایک کے متعلق صراحت ہے کہ اس کے ساتھ ہدی الساری کا مکمل ترجمہ بھی شامل تھا، ایک ترجمہ اور ہوا تھا جو مکمل ہوگیا تھا اور چھپا بھی ہے، مگر مجھے اس کی تصدیق نہیں کہ اس کے ساتھ ہدی الساری کا ترجمہ بھی شائع ہوا یا نہیں ہوا، ایک ترجمہ کی تکمیل اور طباعت کا صحیح علم نہیں۔

فتح الباری کا اردو میں پہلا مکمل ترجمہ علامہ سید امیر علی محدث ملیح آبادی نے کیا تھا، یہ ترجمہ لکھنؤ کے مشہور پریس مطبع منشی نول کشور کے بانی منشی نول کشور کی فرمائش پر کیا گیا تھا۔ مولانا سید امیر علی فاضل جلیل اور متبحر عالم تھے، جس کتاب کا ترجمہ کرتے، اس کی شان بڑھا دیتے تھے۔

مولانا عبدالحی حسنی مولف نزہتہ الخواطر مولانا امیر علی کے شاگرد تھے، مولف نزہہ نے مولانا کو خوب دیکھا اور برتا تھا، مولانا حسنی نے مولانا ملیح آبادی کا عمدہ شاندار تذکرہ کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے۔

مولانا سید امیر علی بن معظم علی حسینی ملیح آبادی ثم لکھنوی ۱۲۷۴ھ (م ۱۸۵۷ء) میں پیدا ہوئے۔ پندرہ سال کی عمر تک فارسی اور معقولات کے علوم حساب، اقلیدس، جبر و مقابلہ، علم مثلث، مساحت وغیرہ پڑھتے رہے، پندرہ سال کی عمر میں ان سب کو ترک کر کے عربی کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ ابتدائی مختصرات مولانا سید عبداللہ اور ان کے استاد مولانا حیدر علی مہاجر سے پڑھیں، پھر قاضی بشیر الدین عثمانی قنوجی سے اصول، کلام، منطق و معانی اور حکمت وغیرہ کا درس لیا، اس کے بعد دہلی کا سفر کیا، دہلی میں مولانا سید نذیر حسین محدث سے صحاح غور و فکر سے پڑھ کر اخذ کیں، حکیم عبدالمجید دہلوی سے حکمت پڑھی، تعلیم مکمل کر کے ملیح آباد واپس آئے، یہاں برسوں تک تصحیح کتب کا مشغلہ اور مصروفیات رہیں۔

ایک دو سال تک مدرسہ عالیہ کلکتہ کے ناظر عام رہے، اس کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں استاد حدیث اور صدر مدرس منتخب کر لیے گئے تھے۔ رجب ۱۳۳۷ھ (م اپریل ۱۹۱۹ء) میں لکھنؤ میں وفات ہوئی۔ (۳۲)

مولانا امیر علی جس موضوع اور کتاب پر قلم اٹھاتے اس کا گویا حق ادا کر دیتے تھے، مولانا کا

سب سے بڑا کارنامہ تفسیر مواہب الرحمٰن ہے۔ جو اردو میں قرآن کریم کی نہایت جامع، عمدہ اور سب سے بڑی تفسیر ہے، یہ تفسیر تیس جلدوں میں مکمل ہوئی اور چھپی، اس کے بعد بھی بار بار چھپتی رہی۔

فقہ حنفی میں اول، شرح وقایہ کا بہت ہی اعلیٰ درجہ کا ترجمہ نورالہدایہ کے نام سے کیا، جو فہم مقاصد میں شرح وقایہ کی متعدد شروح سے فائق ہے۔ اس کے بعد ہدایہ کی مفصل و مکمل شرح ''عین الہدایہ'' تحریر فرمائی جو ہدایہ کی اردو شروح میں بلاشبہ لاثانی ہے۔

اردو ترجمہ کی دنیا میں ایک اور بڑا کام فتاویٰ ہندیہ (عالم گیری) کا اردو ترجمہ ہے، جو دس بڑی جلدوں میں مکمل ہوا اور مولانا کے دیگر ترجموں کی طرح منشی نول کشور سے اعلا معیار پر شائع ہوا۔

اسی سلسلۂ تراجم کی آخری اور غیر معمولی یادگار فتح الباری کا اردو ترجمہ ہے، جو مولانا نے منشی نول کشور کی فرمائش پر کیا تھا۔ مولانا کے اوقات میں بہت برکت تھی، قلم نہایت رواں اور علم مستحضر تھا، اس لیے بڑی بڑی کتابوں کا بہت کم وقت میں ترجمہ کرلیا کرتے تھے، اتنے کم وقت میں کہ اس کا یقین کرنا مشکل تھا، کہا جاتا ہے کہ ہدایہ کا ترجمہ چھ مہینہ میں اور فتاویٰ ہندیہ کا ڈیڑھ سال میں پورا ہو گیا تھا، اس رفتار کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ فتح الباری کے ترجمہ میں بھی ڈیڑھ دو سال سے زیادہ کا وقت نہ لگا ہوگا۔

اس ترجمہ کے ساتھ ہدی الساری کا مکمل ترجمہ بھی شامل تھا، مگر یہ بہت بڑا علمی سانحہ ہے کہ مولانا کا یہ بڑا کارنامہ طباعت سے محروم ہے، مگر سنا ہے کہ اس کا مسودہ جو چودہ جلدوں پر مشتمل ہے، مطبع نول کشور لکھنؤ کے ذخیرۂ نوادر یا ریکارڈ روم میں محفوظ ہے۔

مولانا امیر علی کی ایک اور قابل ذکر علمی یادگار: ''تقریب التہذیب'' حافظ ابن حجر کا حاشیہ ہے۔ یہ حاشیہ ''تعقیب التقریب'' کے نام سے (۱۳۵۶ھ م ۱۹۳۷ء) میں مطبع منشی نول کشور سے چھپا تھا، اس کے آخر میں مولانا امیر علی کا لکھا ہوا ایک ضمیمہ ''التذنیب لتعقیب التقریب'' بھی شامل ہے۔

فتح الباری کا ایک اور اردو ترجمہ مولانا مفتی عبدالہادی کاوش بھوپالی نے کیا تھا، اس ترجمہ کی تفصیلات معلوم نہیں۔ (۳۳)

فتح الباری کا ایک اردو ترجمہ مولانا ابوالحسن سیال کوٹی کی صحیح بخاری کی اردو شرح، فیض الباری میں شامل ہے۔ یہ شرح صحیح بخاری کے پاروں کی ترتیب کے مطابق تیس حصوں یا جلدوں پر مشتمل ہے،

ہر ایک پارہ کی شرح علاحدہ حصہ میں چھپی ہے، فی حصہ دوسو سے تین سو صفحات تک ہیں۔

''فیض الباری''، پہلی مرتبہ مطبع گلزار محمدی، لاہور سے ۱۳۱۷ھ (۱۹۰۰ء) میں چھپی تھی۔ اگرچہ فیض الباری کے مرتب و مولف مولانا ابوالحسن سیال کوٹی نے ہر ایک حصہ کے سرورق پر بخاری کی چھ شرحوں کے نام لکھے ہیں، جن سے یہ کتاب اخذ کی گئی ہے، مگر کتاب کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا بڑا حصہ فتح الباری سے لیا گیا ہے۔ فتح الباری کے ترجمہ کی تکمیل پر مترجم نے ہدی الساری کا ترجمہ بھی کیا تھا، مگر مجھے اس کی طباعت کا علم نہیں۔ (باقی)

حواشی

(۱) (الف) بروکلمان۔ تاریخ الادب العربی، نقلہ الی العربیۃ دکتور عبدالحلیم النجار ص:۱۷۰، جلد:۳، (الطبعۃ الرابعۃ، دار المعارف القاہرہ) (ب:) تاریخ التراث الاسلامی۔ فواد سزگین۔ نقلہ الی العربیۃ د: محمود فہمی حجازی محمود فہمی ابوالفضل ص:۱۷۴۔ (الہیئۃ المصریہ العامۃ للکتابۃ، قاہرہ) (ج) استدراکات: (علی تاریخ التراث العربی) فواد سزگین، تالیف د: نجم عبدالرحمٰن خلف۔ دار البشائر الاسلامیہ بیروت (۱۴۲۱ھ۔ ۲۰۰۰ء) (د): استدراکات علی تاریخ التراث العربی جو علاحدہ آٹھ جلدوں میں چھپی ہے۔ د: نجم عبدالرحمٰن خلف (دار ابن الجوزی۔ بیروت: ۱۴۲۲ھ) مگر موخر الذکر کتاب میں وہی اطلاعات دہرائی گئی ہیں، جو اس سے پہلے استدراک میں شائع ہو چکی تھیں۔ (۲) الف: المنتخب من مخطوطات المدینۃ المنورۃ۔ عمر رضا کحالہ ص:۱۳۹ (دمشق ۱۳۹۳ھ۔ ۱۹۷۳ء)۔ ب: استدراکات (علی تاریخ التراث العربی) د، نجم عبدالرحمٰن خلف ص:۲۱۰ (دار البشائر الاسلامیہ، بیروت)۔ (۳) اس نسخہ کا علامہ محقق شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے اپنی کئی کتابوں میں ذکر کیا ہے اور اس کا اہم نسخہ کی حیثیت سے تعارف کرایا ہے۔ (۴) شاکر محمود عبدالمنعم ص:۱۹۱، ج:۱۔ (۵) (لباب المعارف العلمیۃ، فہرست مخطوطات و مطبوعات دار العلوم الاسلامیہ پشاور، مرتبہ مولوی عبدالرحیم ص:۵۰۔ ۴۹، جلد اول) آگرہ اخبار پریس، آگرہ: ۱۳۳۳ھ۔ ۱۹۱۸ء)۔ (۶) د: نجم عبدالرحمٰن خلف ص:۲۱۱۔ (۷) نواف بن محمد عبداللہ الرشید کی یہ تحریر، سب سے پہلے روزنامہ الجزیرہ میں ۹ر نومبر ۲۰۱۱ء کو چھپی تھی، اس کے بعد بھی چھپی، ملتقی اہل الحدیث کے علاوہ اور بھی کئی ویب سائٹس پر موجود ہے۔ (۸) د: نجم عبدالرحمٰن خلف: ص:۲۱۰ = (۹) د: نجم عبدالرحمٰن خلف: ص:۲۱۱۔ (۱۰) د: نجم عبدالرحمٰن خلف: ص:۲۱۱۔ (۱۱) مفتاح الکنوز الخفیہ، مرتبہ مولوی عبدالحمید ص:۸۵۔ جلد:۱، (پٹنہ: ۲۰۰۵ء)۔ (۱۲) الزرکلی نے الجزولی فقیہ مالکی سے تعارف کرایا ہے۔ الاعلام ص:۲۳۲، ج:۳ (الطبعۃ الرابعۃ، بیروت: ۱۹۷۹ء)۔ (۱۳) فہرس المخطوطات الاصلیۃ وزارۃ الأوقاف الکویت ص: ۲۶۶۔ (۱۴) مفتاح الکنوز الخفیۃ، مرتبہ مولوی عبدالحمید ص:۸۵، جلد اول، (پٹنہ ۲۰۰۵ء)۔ (۱۵) مفتاح الکنوز الخفیۃ ص: ۸۵۔ (۱۶) د: نجم عبدالرحمٰن خلف، ص:۲۱۱۔ (۱۷) د: نجم عبدالرحمٰن خلف، ص: ۲۱۰۔ (۱۸) مفتاح الکنوز الخفیۃ ص:۸۵۔

(۱۹) فہرست مخطوطات عربی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ ص:۱۵۰۔ (دہلی:۱۴۰۶ھ)۔ (۲۰) شیخ علی بن صالح العماری کا، علامہ شوکانی نے مفصل تذکرہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: البدر الطالع للشوکانی ص:۳۴۸-۳۴۶ ۔ جلد اول۔ (۲۱) اس نسخہ کا علامہ عابد سندھی کے احوال پر سائد بکداش کی کتاب: الامام الفقیہ المحدث الشیخ محمد عابد السندی الانصاری رئیس علماء المدینۃ فی عصرہ میں مفصل تعارف درج ہے۔ کتاب مذکورہ ص:۲۲۴، ۲۲۵ (دار البشائر الاسلامیہ، بیروت: ۱۴۲۳ھ) سائد بکداش نے ہدی الساری کے اس نسخہ کے آخری صفحہ کا عکس بھی اپنی کتاب میں شامل کیا ہے۔ (۲۲) فرنگی محل کلکشن میں ایک اور غیر مسلم کے قلم سے نقل کی ہوئی، حافظ ابن حجر کی ایک اور تصنیف: الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف کا بھی ایک نسخہ ہے، یہ نسخہ بختاور لال سنگھ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس پر تاریخ کتابت درج نہیں (ذخیرۂ فرنگی محل ۱۰۷۳/۵۹)۔ (۲۳) ابوادریس، مولانا محمد اسماعیل کاندھلوی کا سن پیدائش اور تعلیمی حال معلوم نہیں، غالباً خاندان کے بزرگوں سے پڑھا اور اہل خاندان کے علاوہ بھوپال میں اجازات حدیث حاصل کیں، فاضل شخص اور متعدد کتابوں کے مترجم تھے۔ برسوں تک ریاست بھوپال (ہندوستان) میں ملازم رہے، بیگم بھوپال سے ایک شرعی مسئلہ پر اختلاف ہوجانے کی وجہ سے، ملازمت چھوڑ کر وطن آ گئے تھے، یہاں نادر قلمی کتابوں کی نقل وفراہمی (وراقت) کی مصروفیت تھی، بہت تیزی سے کتابیں نقل کرتے اور اہل ذوق تک پہنچاتے تھے۔ مولانا محمد اسماعیل کے قلم کی لکھی نقل کی ہوئیں جو کتابیں میرے علم میں ہیں اور ان میں سے اکثر اس وقت تک موجود ہیں، ان میں چند کتابیں یہ ہیں: فتح الباری۔ مکمل نسخہ، طیبی شرح مشکوٰۃ (پوری کتاب کی چھ مکمل نقول)، الکاشف للعلامہ تورپشتی (مصابیح السنن کی شرح) کے مکمل نسخہ کی دو نقلیں، البرہان فی شرح مواہب الرحمان، امیر کاتب اتقانی کی دو مکمل نقلیں، ان کے علاوہ اور کتابیں بھی مولانا کے قلم سے منقول موجود ہیں۔ شفا قاضی عیاض اور شرح الصدور للعلامہ سیوطی وغیرہ کے اردو ترجمے کیے۔ ۱۳۶۰ھ (م ۱۹۴۰ء) میں کاندھلہ میں وفات ہوئی، کاندھلہ میں دفن کئے گئے۔ (۲۴) ابن الحاج حمدون، ابوالفیض، حمدون بن عبدالرحمٰن بن حمدون، السلمی، المرداسی، الفاسی، المالکی، الفقیہ الادیب المشہور من اہل فاس، ولد سنۃ اربع وسبعین مائۃ والف، وتوفی سنۃ اثنتین وثلاثین ومائتین والف۔ (۲۵) نظم ہدی الساری اور شرح نظم ہدی الساری جس کا نام مسک الدراری ہے، دو علاحدہ تصانیف ہیں۔ اس کا خطی نسخہ علامہ عبدالحی کتانی مغربی (تیونس) کے ذاتی ذخیرہ میں ہے۔ محمد عصام عرار الحسینی نے: اتحاف القاری بمعرفۃ جھود واعمال العلماء علی صحیح البخاری میں اس کا تعارف کرایا ہے۔ ملاحظہ ہو: ص:۱۲۱ (طبع اول، الیمامہ للطباعۃ والنشر، دمشق: ۱۴۰۷ھ-۱۹۸۷ء)۔ (۲۶) الاعلام ص:۲۷۵، ج:۲، (الطبعۃ الرابعۃ۔ بیروت: ۱۹۷۹ء)۔ (۲۷) التعلیقات المفیدۃ علی الکتب العدیدۃ، لأبی الاشبال احمد شاغف، ص:۱۰۰ (مکتبۃ الفہد الوطنیۃ الریاض ۱۴۲۲ھ-م ۲۰۰۱ء) شاغف صاحب نے فتح الباری کی اس طباعت کا سن ۱۳۱۰ھ لکھا ہے، (ص:۱۰۰) جو صحیح نہیں۔ یہ طباعت میرے سامنے ہے، اس کے اجزاء پر علاحدہ سنین طباعت چھپے ہوئے ہیں۔ جزء:۶ پر سن طباعت ۱۳۰۵ھ درج ہے اور جزء:۲۰ پر ۱۳۰۸ھ، اس رفتار طباعت کی وجہ سے خیال ہوتا ہے کہ اس نسخہ کی طباعت غالباً ۱۳۱۰ھ کے بعد مکمل ہوئی ہوگی۔ یوسف سرکیس نے معجم المطبوعات العربیۃ والمعربۃ میں اس کا سن طباعت ۱۳۰۷ھ لکھا ہے، یہ بھی صحیح نہیں۔ (۲۸) حقیقت

یہ ہے کہ احمد شاغف صاحب، حنفی علماء کی خدماتِ حدیث (بلکہ تمام کارناموں) کو عموماً نظر انداز کر دیتے ہیں اور ان کے بڑے بڑے کاموں کو بھی لائق اعتناء خیال نہیں کرتے، اس لیے ان کی اس رائے کے متعلق احتیاط سے فیصلہ کرنا چاہیے۔ یہاں یہ بات بہت قابل توجہ ہے کہ حدیث شریف کی بنیادی کتابوں میں سے، پوری دنیا میں سب سے پہلا مکمل متن جو شائع ہوا، وہ سنن نسائی کا تھا، جس کو ہندوستان کے ایک بڑے عالم اور محدث، شاہ محمد اسحاق دہلوی (وفات: ۱۲۶۲ھ۔ نواسہ شاہ عبدالعزیز بن حضرت شاہ ولی اللہ) نے مرتب کر کے دہلی میں قائم، سب سے پہلے پریس، سلطان المطابع، لال قلعہ دہلی سے (۱۲۵۶ھ۔م ۱۸۴۰ء) میں شائع کرا دیا تھا۔ اس کے بعد حدیث کی کتابیں، خصوصاً صحاح ستہ کے متون چھپنے شروع ہوئے، جو ان تمام کتابوں کی پوری دنیا میں سب سے پہلی اشاعت تھی۔ ترتیب و تاریخ طباعت یہ ہے کہ صحیح بخاری (۱۲۶۹ھ) میں صحیح مسلم (۱۲۷۰ھ) میں سنن ترمذی (۱۲۶۵ھ) میں سنن ابوداؤد (۱۲۷۲ھ) میں سنن ابن ماجہ (۱۲۷۳ھ) میں تصحیح و تحقیق و تعلیق سے مزین و آراستہ ہو کر، پوری دنیا میں سب سے پہلے ہندوستان کے علمائے احناف کی کاوش و کوشش سے شائع ہوئیں۔ ان میں سے سنن ابن ماجہ کے علاوہ، تمام کتابیں حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کی محنت و توجہ اور مسلسل جانسوزی کی بدولت تصحیح کے ساتھ چھپیں۔ بولاق وغیرہ مطابع کا کام بہت بعد کا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس بڑے بلکہ بہت بڑے کارنامہ پر، ہمارے دور کے محققین اور خادمان حدیث نبوی شریف کی علمی توجہ نہیں ہوئی۔ خدمت حدیث کے اس غیر معمولی دروازہ کو کھولنے اور دنیا بھر کے علماء اور طالبان حدیث کے لئے حدیث کی کتابوں کو عام کرنے والوں کے تعارف کے لئے کوئی باضابطہ کوشش نہیں کی گئی۔ ایسے متعدد اصحاب و علماء، جو ان بڑے کام کرنے والوں کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے، انہوں نے بھی اس پر بہت محنت اور توجہ کی، ان کے بہت بعد خدمتِ حدیث اور طباعت و اشاعتِ حدیث کا وہ سلسلہ شروع ہوا جس کو آج کل اہمیت دی جاتی ہے، اور برصغیر ہند و پاکستان میں، خدمت حدیث کا آغاز سمجھا جاتا ہے۔ (۲۹) معجم المطبوعات العربیۃ فی شبہ القارۃ الہندیۃ د؛ احمد خاں ص: ۱۲۴، (ریاض: ۱۴۲۱ھ، ۲۰۰۰ء)۔ (۳۰) تقریب التہذیب کی ہندوستان سے، بعد میں، کئی مرتبہ علاحدہ علاحدہ مطابع سے تصحیح اور مستقل نئے حاشیہ کے ساتھ اشاعت ہوئی، جس میں ایک نسخہ مطبع انصاری دہلی کا ہے، ایک اور عمدہ حاشیہ مولانا سید امیر علی ملیح آبادی کا ہے، اس کا تذکرہ آرہا ہے۔ (۳۱) کاندھلہ ہمارے وطن (کاندھلہ، ضلع شاملی، مظفرنگر، یوپی، ہند) سے تقریباً پچیس کلومیٹر پر واقع بستی ہے۔ مولانا جمال الدین ایک بہت بڑے فاضل، عالم، مخیر اور ہر لحاظ سے بلند مرتبہ شخص تھے۔ منشی جمال الدین نے ہی سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ (احمد بن عبدالرحیم) دہلوی کی شہرۂ آفاق تصنیف حجۃ اللہ البالغۃ اول ہندوستان سے اس کے بعد بولاق سے چھپوا کر عام فرمائی تھی۔ شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجمۂ قرآن کی اشاعت اور ازالۃ الخفاء کی طباعت بھی مولانا منشی جمال الدین کے خرچ سے ہوئی تھی۔ (۳۲) نزہۃ الخواطر یا (الأعلام بما فی الہند من الاعلام) از مولانا عبدالحی حسنی ص: ۷۶-۷۵ ج: ۱ (دائرۃ المعارف حیدرآباد: ۱۴۰۲ھ۔ ۱۹۸۱ء)۔ (۳۳) بھوپال نمبر مجلہ آگہی۔ مدیرہ: رضیہ حامد۔ ص: ۳۵۰ (بھوپال: ۱۹۹۶ء)۔

اقبال اور جہاد

جناب الطاف احمد اعظمی

اقبال کی شاعری میں فارسی اور اردو دونوں میں جنگ و جہاد کا ذکر ملتا ہے۔تو کیا وہ جنگ و جہاد کے حامی تھے؟ ہاں وہ اس کے حامی تھے،اس حد تک حامی کہ انہوں نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ اسی زاویۂ نگاہ سے کیا تھا ؎

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم   نہایت اس کی حسین، ابتدا ہے اسماعیل
(بال جبریل)

اقبال جہاد کو اس طرح واجب سمجھتے تھے جس طرح عبادات واجب ہیں(۱)۔ وہ ان مسلمانوں کو کم اندیش اور ''کلیسا نواز'' کہتے تھے جو عصر جدید میں جنگ و جہاد کے منکر تھے یا اس کی تاویل کرتے تھے ؎

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے   دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر
لیکن جناب شیخ کو معلوم کیا نہیں   مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سود، بے اثر
تیغ و تفنگ دست مسلماں میں ہے کہاں   ہو بھی تو دل ہیں موت کی لذت سے بے خبر
کافر کی موت سے بھی لرزتا ہو جس کا دل   کہتا ہے کون اسے کہ مسلماں کی موت مر
تعلیم اس کو چاہیے ترک جہاد کی   دنیا کو جس کے پنجۂ خونیں سے ہو خطر
باطل کے فال وفر کی حفاظت کے واسطے   یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر
ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے   مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر
حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات   اسلام کا محاسبہ، یورپ سے درگذر (ضرب کلیم)

آر زیڈ، ۹۰۱ بی، فلیٹ نمبر ۴۰۲، لین نمبر ۲۴، تغلق آباد ایکسٹنشن، نئی دہلی، ۱۱۰۰۱۹۔

لیکن اقبال صرف اس جنگ و جہاد کے حامی تھے اور اسے مسلمانوں کا مقصد حیات قرار دیتے تھے جس کا مطلوب اعلاء کلمۃ اللہ ہو، حصول مال اور ملک گیری نہ ہو کہ اس نوع کی جنگ مذہب اسلام میں حرام ہے۔ ان کے الفاظ ہیں: در بیان ایں کہ مقصد حیات مسلم اعلاء کلمۃ اللہ است و جہاد اگر محرک او جوع الارض باشد در مذہب اسلام حرام است (۲)۔ اس خیال کو انہوں نے ایک شعر میں اس طرح نظم کیا ہے ؎

گر نہ گردد حق ز تیغِ ما بلند	جنگ باشد قوم را نا ارجمند	(اسرار خودی)

اس ''جنگ نا ارجمند'' کی تفصیل اس خط میں ملتی ہے جو اقبال نے مولوی ظفر احمد صدیقی کو لکھا تھا۔ (۳)

اب سوال یہ ہے کہ اقبال جیسا علوم جدیدہ کا فاضل جنگ و جہاد کا حامی کیوں تھا؟ اقبال مسلم قوم کے ان دانشوروں اور رہنماؤں میں نہیں تھے جو خود خیالی اور خوش گمانی کے گنبد میں معتکف ہو کر حقائق سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں، وہ زمانہ شناس اور حقیقت پسند تھے۔ وہ اس تاریخی حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ قوموں کی تقدیر کا فیصلہ ہمیشہ شمشیر و سنان کی قوت نے کیا ہے ؎

میں تجھ کو بتاتا ہوں، تقدیر امم کیا ہے	شمشیر و سناں اول، طاؤس و رباب آخر
(بال جبریل)

تاریخ امم کا یہ پیام ازلی بھی ان کی دور بیں نگاہ سے مخفی نہ تھا کہ جو قومیں جہد للبقا سے غفلت برتتی ہیں وہ یا تو قانون قدرت کے مطابق فنا ہو جاتی ہیں یا دوسری طاقتور قومیں انہیں مغلوب کر لیتی ہیں ؎

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے	ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات
(بال جبریل)

اقبال فطرت کے اس راز سے بھی پوری طرح باخبر تھے کہ وہ لہو ترنگ ہے ؎

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر	تیرا ز جاج ہو نہ سکے گا حریف سنگ
یہ زور دست و ضربت کاری کا ہے مقام	میدان جنگ میں نہ طلب کر نوائے چنگ
خون دل و جگر سے ہے سرمایۂ حیات	فطرت لہو ترنگ ہے، غافل نہ جل ترنگ
(ضرب کلیم)

جرمن فلسفی نٹشے کے فلسفہ قوت پر بھی ان کی نظر تھی جو بکری پر شیر کو ترجیح دیتا تھا اور ان کا بھی یہی طرز فکر تھا۔ وہ کبوتر کے مقابلے میں شاہین کو پسند کرتے تھے اور اس لیے پسند کرتے تھے کہ اس پرندے میں وہ سب خوبیاں پائی جاتی ہیں جو ایک حوصلہ منداور جرأت آزما قوم کا نشان امتیاز ہیں۔

مغربی اقوام کی ہمہ گیر ترقی اور ان کے سیاسی غلبہ وعروج کا راز اقبال پر اس وقت کھل گیا جب انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے اس قوم کے شب و روز کو دیکھا۔ ان کو صاف نظر آیا کہ ان قوموں کی سربلندی کی وجہ ان کی عریاں ثقافت نہیں بلکہ جدید علوم وفنون میں ان کی مہارت، ان کی سخت کوشی، ان کی حوصلہ مندی اور جاں فروشی ہے۔

ان وجوہ سے جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا، اقبال جنگ و جہاد کو مسلم قوم کی حیات اجتماعی کے استحکام اور ان کے دین وایمان کے تحفظ کے لیے ضروری خیال کرتے تھے اور بے جا قناعت، خلوت نشینی اور سخت کوشی سے اجتناب کو قوم کے حق میں سخت مضر خیال کرتے تھے ؎

ہر کہ باشد سخت کوش و سخت گیر　　می شود ازوی دو عالم مستنیر
ناتوانی ، ناکسی ، ناپختگی است　　در صلابت آبروئے زندگی است

(اسرار خودی)

(جو شخص سخت کوش اور سخت گیر ہے اس کی ذات سے دو عالم کو روشنی ملتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صلابت میں آبروئے زندگی ہے اور ناتوانی کے معنی نالائقی اور ناپختگی کے ہیں)

اقبال نے اپنی شاعری میں ایک مرد مومن کی جو مرقع کشی کی ہے اس میں جدت کردار اور جواں مردی کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ ''ضرب کلیم'' میں فرماتے ہیں ؎

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان ، نئی آن　　گفتار میں ، کردار میں اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت　　یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم　　دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

اقبال کی نظر میں ایک مومن کی متاع عزیز قرآن وشمشیر اور گھوڑے کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں ہے ؎

مرد مومن را عزیز اے نکتہ رس　　چیست جز قرآن وشمشیر وفرس　(جاوید نامہ)

اور ''شمشیروفرس'' کا صاف مطلب جنگ و جہاد ہے۔

''جاوید نامہ'' ہی میں اقبال نے تاریخ اسلام کی ایک عظیم خاتون شرف النساء کے جو اوصاف حمیدہ بیان کیے ہیں ان میں تلوار اور قرآن سے اس کا دیوانہ وار شغف بالکل نمایاں ہے۔

تا زِ قرآں پاک می سوزد وجود — از تلاوت یک نفس فارغ نبود
در کمر تیغ دو رو ، قرآن بدست — تن بدن ہوش و حواس ، اللہ مست
خلوت و شمشیر و قرآن و نماز — اے خوش آں عمرے کہ رفت اندر نیاز

(قرآن پاک کی گرمی اس کے وجود میں اس حد تک سرایت کر گئی تھی کہ وہ تلاوت سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہ ہوتی تھی، اس کی کمر میں دو دھاری تلوار حمائل اور ہاتھوں میں قرآن رہتا تھا، اس کے تن بدن اور ہوش و حواس سب اللہ کی یاد میں گم ہو چکے تھے۔ خلوت و شمشیر اور قرآن و نماز سے اس کی زندگی عبارت تھی، وہ عمر کتنی عمدہ تھی جو عالم نیاز میں گزری)

اس مومنہ خاتون نے بہ وقت وفات اپنی ماں سے جو آخری الفاظ کہے وہ قابل ذکر ہیں۔

بر لبِ او چوں دمِ آخر رسید — سوئے مادر دید و مشتاقانہ دید
گفت اگر از راز من داری خبر — سوئے ایں شمشیر و ایں قرآں نگر
ایں دو قوت حافظ یک دیگر اند — کائنات زندگی را محور اند
اندریں عالم کہ میرد ہر نفس — دخترت را ایں دو محرم بود و بس
وقتِ رخصت با تو دارم ایں سخن — تیغ و قرآں را جدا از من مکن
دل بآں حرفے کہ می گوئم بنہ — قبر من بے گنبد و قندیل بہ
مومناں را تیغ با قرآں بس است — تربت ما را ہمیں ساماں بس است

(جاویدنامہ)

(جب اس کی موت کا وقت قریب آ گیا تو اس نے اپنی ماں کی طرف اشتیاق بھری نظروں سے دیکھا اور کہا، اے ماں! اگر تو میرے راز سے باخبر ہے تو اس شمشیر اور اس قرآن کی طرف دیکھو۔ یہ دونوں قوتیں ایک دوسرے کی محافظ ہیں، یہ کائنات زندگی کے لیے محور کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس دنیا میں جہاں ہر شخص کو بہر حال مرنا ہے، صرف تیری بیٹی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ ان دونوں کی راز دار تھی۔ وقت رخصت میں تجھ

سے بس یہی کہوں گی کہ تلوار اور قرآن کو مجھ سے جدا نہ کرنا۔ میری اس وصیت کو توجہ سے سنو کہ میری قبر پر نہ گنبد بنایا جائے اور نہ چراغ روشن کیا جائے، یہی میرے حق میں بہتر ہوگا۔ اس لیے کہ تیغ اور قرآن کے سوا مومنوں کو اور کچھ درکار نہیں اور میری قبر (کی زینت) کے لیے بس یہی سامان کافی ہے)

''بال جبریل'' میں جو نظم ''طارق کی دعا'' کے عنوان سے ہے اس کا مرکزی نکتہ شوق جہاد اور طلب شہادت ہے۔ ملحوظ رہے کہ طارق نے یہ دعا اندلس کے میدان جنگ میں مانگی تھی۔

یہ غازی ، یہ تیرے پُراسرار بندے جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی

دو نیم ، ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو عجب چیز ہے لذت آشنائی

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن نہ مال غنیمت ، نہ کشور کشائی

خیاباں میں ہے منتظر لالہ کب سے

قبا چاہیے اس کو خون عرب سے

کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا خبر میں ، نظر میں ، اذانِ سحر میں

طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو وہ سوز اس نے پایا انھی کے جگر میں

کشادِ در دل سمجھتے ہیں اس کو ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں

دل مرد مومن میں پھر زندہ کردے وہ بجلی کہ تھی نعرۂ ''لاتذر'' میں

عزائم کو سینوں میں بیدار کردے

نگاہ مسلماں کو تلوار کردے (بال جبریل)

اقبال کے نزدیک سچا مرد مومن وہ ہے جو کبھی موت سے ہراساں نہیں ہوتا بلکہ لبوں پر تبسم لیے ہوئے اس کا استقبال کرتا ہے۔

نشان مرد مومن با تو گویم چوں مرگ آید تبسم برلب اوست (ارمغان حجاز)

''جاوید نامہ'' میں ہے۔

بندۂ حق ضیغم و آہوست مرگ یک مقام از صد مقام اوست مرگ

می فتد بر مرگ آں مرد تمام مثل شاہینے کہ افتد بر حمام

ہر زماں میرد غلام از بیم مرگ زندگی او را حرام از بیم مرگ
بندۂ آزاد را شانے دگر مرگ او را می دہد جانے دگر

(بندۂ حق شیر ہے (جو کبھی موت سے نہیں ڈرتا) اور ہرن (کا دوسرا نام) موت ہے۔ اس بندے کے سینکڑوں مقامات میں سے ایک مقام موت بھی ہے۔ مرد کامل موت پر (بے باکانہ) اس طرح ٹوٹ پڑتا ہے جس طرح شاہین کبوتر پر حملہ آور ہوتا ہے۔ ایک غلام موت کے خوف سے ہر وقت زندہ درگور رہتا ہے، خوف مرگ سے اس کے لیے زندگی حرام بن جاتی ہے، لیکن بندۂ آزاد کی شان ہی دوسری ہے، (وہ مرنے سے کبھی ہراساں نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ) موت اس کے لیے دوسری زندگی کا پیام لے کر آتی ہے)

اقبال نے جنگ و جہاد کی ضرورت کو مذہبی زاویۂ نگاہ سے بھی دیکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دنیا کے بادشاہوں نے ملک گیری کے لیے جنگ کی اور ملکوں اور قوموں کو تباہ و برباد کیا لیکن ایک مومن کی جنگ اس سے بالکل مختلف ہے، وہ مال و زر اور ملکوں کی تسخیر کے لیے جنگ نہیں کرتا بلکہ اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے جنگ کرتا ہے، جیسا کہ اس مضمون کے شروع میں ذکر ہو چکا ہے۔ اس نوع کی جنگ پیغمبر کی سنت ہے اور ایک مومن کے لیے اس سنت کی پیروی واجب ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسلام کی رہبانیت جنگ و جہاد ہے (۴)۔ دنیا سے جدائی اور اللہ تعالیٰ کے دیدار و ملاقات کا یہ ایک معتبر وسیلہ ہے۔ اقبال کے الفاظ میں ؂

جنگ شاہان جہاں غارت گری است جنگ مومن سنت پیغمبریؐ است
جنگ مومن چیست؟ ہجرت سوئے دوست ترک عالم ، اختیار کوئے دوست
آنکہ حرف شوق با اقوام گفت جنگ را رہبانی اسلام گفت

(جاوید نامہ)

جہاد کے متعلق اقبال کے نقطہ نظر کی وضاحت کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس پر قرآنی زاویۂ نگاہ سے ایک تنقیدی نظر ڈالی جائے۔ اس میں دو رائے نہیں ہو سکتی کہ قرآن کی تعلیمات میں جہاد کو ایک اہم مقام حاصل ہے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جان و مال
وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ یُقَاتِلُوۡنَ جنت کے عوض خرید لیے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں

فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ فَیَقۡتُلُوۡنَ وَیُقۡتَلُوۡنَ وَعۡدًا عَلَیۡهِ حَقًّا فِی التَّوۡرٰىةِ وَالۡاِنۡجِیۡلِ وَالۡقُرۡاٰنِ وَمَنۡ اَوۡفٰی بِعَهۡدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسۡتَبۡشِرُوۡا بِبَیۡعِکُمُ الَّذِیۡ بَایَعۡتُمۡ بِهٖ وَذٰلِکَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ (التوبہ:۱۱۱)

جنگ کرتے ہیں، پس مارتے ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں۔ اللہ کے ذمہ ایک سچا وعدہ ہے تورات، انجیل اور قرآن میں (کہ وہ جان و مال کے عوض میں انہیں جنت دے گا) اور اللہ سے بڑھ کر اپنے قول کا پورا کرنے والا کون ہے؟ تو اس سودے پر جو اس نے تم سے کیا ہے خوشی مناؤ اور یہ (درحقیقت) بڑی کامیابی ہے۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِهٖ صَفًّا کَاَنَّهُمۡ بُنۡیَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ (سورہ صف:۴)

بے شک اللہ ان (مومنوں) کو پسند کرتا ہے جو اس کے راستے میں اس طرح صف بستہ لڑتے ہیں گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ فَرِحِیۡنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ وَیَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِالَّذِیۡنَ لَمۡ یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ مِّنۡ خَلۡفِهِمۡ اَلَّا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (آل عمران:۱۶۹-۱۷۱)

(اے ایمان والو) جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں ان کو مردہ نہ سمجھو، وہ زندہ ہیں، اپنے پروردگار کے پاس روزی پا رہے ہیں۔ اللہ نے اپنے فضل سے جو نعمتیں ان کو دی ہیں ان کو پا کر بے حد مسرور ہیں اور اپنے پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں جو ان سے اب تک نہیں ملے (یعنی ابھی شہید نہیں ہوئے) یہ جان کر خوش ہوتے ہیں کہ (انہی کی طرح) ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔ اللہ کے فضل و احسان پر (جو شہادت کے نتیجے میں ان کو حاصل ہوا) خوشی مناتے ہیں اور اس بات پر

بھی کہ اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

لیکن جہاد کی اس فضیلت اوراس کے روحانی و مادی فوائد و برکات کے باوجود یہ کہنا جیسا کہ اقبال کا خیال ہے کہ جنگ و جہاد کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہے یعنی اللہ کے حکم و مرضی کو زمین پر نافذ کرنا، ازروئے قرآن صحیح نہیں ہے۔ یہ اکراہ فی الدین ہے جو اسلام میں ممنوع ہے (سورہ بقرہ:۲۵۶)۔ اسلام میں فی الواقع جنگ و جہاد کا مقصد خیر وعدل کا قیام (سورہ نساء:۱۳۵) اور خدا کے بندوں پر ظلم و ستم اور ہر طرح کی ناانصافی کی روک تھام ہے۔ موخر الذکر مقصد جنگ کو سورہ بقرہ میں اس مقام پر واضح کردیا گیا ہے جہاں ماہ حرام میں جنگ کرنے کے بارے میں پوچھا گیا ہے:

يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (سورہ بقرہ:۲۱۷)	(اے رسول) اہل ایمان تم سے ماہ حرام میں جنگ کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو، ماہ حرام میں جنگ کرنا گناہ ہے، لیکن راہ خدا (یعنی خدائے واحد کی پرستش) سے روکنا، اللہ سے کفر کرنا، اس کے باشندوں کو حدود حرم سے نکالنا اس سے زیادہ بڑا گناہ ہے اور فتنہ (کی سنگینی) خوں ریزی سے بڑھ کر ہے۔

اس آیت کے مطابق ''فتنہ'' قتل وخوں ریزی سے کہیں زیادہ سنگین چیز ہے اور جنگ و جہاد کی اجازت اس شر کے استیصال کے لیے ہی دی گئی ہے۔ اسی آیت میں ''فتنہ'' کے مفہوم کی وضاحت بھی کردی گئی ہے یعنی دین کے معاملہ میں جبر واکراہ سے کام لینا (صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ) اور اختلاف دین کی وجہ سے لوگوں کو ان کے گھروں سے نکالنا اور ان پر ظلم وستم کرنا، جدید سیاسی اصطلاح میں اس جبر کو "Religious Persecution" کہا جاتا ہے۔

جہاں تک عدل وانصاف کے قیام کے لیے ظالم قوموں سے جنگ کرنے کی بات ہے تو وہ مشروط ہے یعنی جو لوگ اس جنگ کے لیے کھڑے ہوں وہ ملک وعلاقہ اور اس پر سیاسی بالادستی رکھتے ہوں، خود عدل وقسط پر قائم ہوں اور انہیں اس قدر جنگی قوت بھی حاصل ہو جو ظالم کی سرکوبی کے لیے ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مکی مسلمانوں کو جہاد کی اجازت اس وقت دی گئی جب وہ ہجرت کر کے

مدینہ آ گئے اور وہاں ایک اسلامی ریاست قائم ہوگئی۔ خود اپنے ملک کے اندر جہاد ممنوع ہے کیونکہ اس سے بدامنی اور ناحق خوں ریزی کا قوی اندیشہ ہے۔(۵)

اقبال کا یہ خیال بھی محل نظر ہے کہ جنگ و جہاد مسلمانوں کا مقصد حیات ہے۔ یہ بات قرآن مجید کے اس بیان کے خلاف ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ جنوں اور انسانوں کا مقصد تخلیق یہ ہے کہ وہ اپنی مرضی اور خوشی سے اللہ کی عبادت و بندگی کریں (سورہ الذاریات:۵۶) اور اس عبادت و بندگی میں کسی مخلوق کو شریک نہ کریں (النساء:۳۶)۔ یہاں یہ بات بھی واضح کردوں کہ عبادت میں اطاعت خالص بھی شامل ہے یعنی ایک اللہ کے علاوہ کسی اور کی حتی الامکان اطاعت نہ کی جائے۔ اسی چیز کو قرآن مجید میں "اخلاص دین" کہا گیا ہے۔ فرمایا ہے:

وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ	انہیں صرف اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ
لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ	ہی کی عبادت کریں، اطاعت کو اسی کے لیے
(سورہ بینہ:۵)	خالص کرتے ہوئے۔

اللہ کی اس خالص عبادت و اطاعت میں اگر کوئی انسانی گروہ مزاحم ہو تو پھر جنگ و جہاد واجب ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ اہل ایمان آزاد علاقہ اور مضبوط جمعیت رکھتے ہوں جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ بہ صورت دیگر انہیں صبر و اعراض کا رویہ اختیار کرنا ہوگا جیسا کہ صحابہؓ نے مکی دور میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رہنمائی میں کیا تھا۔

شمشیر اور قرآن بے شک مسلمانوں کا سرمایۂ حیات ہیں، جیسا کہ اقبال نے بہ تکرار فرمایا ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھوں میں شمشیر ہو وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں عدل و تقویٰ پر قائم ہوں جو قرآن مجید کی بنیادی تعلیم ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ	اے ایمان والو! تم اللہ کے لیے عدل کے علم
لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا	بردار اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، اور
یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا	کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر
تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ	دے کہ تم (اس کے ساتھ) انصاف نہ کرو۔ (ہر
لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ	حال میں) انصاف کرو، یہ تقویٰ سے زیادہ قریب

خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ہے اور اللہ کی نافرمانی سے بچو (اور خوب جان لو

(مائدہ:۸) کہ) اللہ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے۔

آج مسلمانوں کا طرز معاملہ اس آیت کے برخلاف ہے، ان کے ہاتھوں میں تلوار تو ہر جگہ نظر آتی ہے لیکن یہ ہاتھ قرآن سے خالی ہیں۔ ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں تقویٰ اور عدل کا کہیں نام ونشان تک نظر نہیں آتا، وہ خودساختہ اسلام کے نام پر اپنے ہی بھائی بندوں کا خون بہانے میں مصروف ہیں اور ان کے مذہبی طبقہ پر، مستثنیات سے قطع نظر۔ یہ شعر صادق آتا ہے ؎

دین کافر فکر و تدبیر جہاد دین مُلّا فی سبیل اللہ فساد

(جاوید نامہ)

ماخذ وحواشی

(۱) کلیات اقبال فارسی، مرتب احمد رضا، ادارہ اہل قلم، ہما بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور، طبع اول، مئی ۲۰۱۴ء، جاوید نامہ، ص ۸۲۱۔ (۲) اسرار خودی، ص ۸۷۔ (۳) اسلام میں جنگ و جہاد کی مشروع اور غیر مشروع صورتوں کی وضاحت کرتے ہوئے اقبال اس خط میں لکھتے ہیں ”میں جنگ کا حامی نہیں ہوں، نہ کوئی مسلمان شریعت کے حدود معینہ کے ہوتے ہوئے اس کا حامی ہوسکتا ہے۔ قرآن کی تعلیم کی رو سے جہاد یا جنگ کی صرف دو صورتیں ہیں: محافظانہ اور مصلحانہ، پہلی صورت میں یعنی جب کہ مسلمانوں پر ظلم کیا جائے اور ان کو گھروں سے نکالا جائے مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت ہے (نہ کہ حکم)، دوسری صورت میں جہاد کا حکم ۹: ۴۴ میں بیان ہوا ہے ...... جنگ کی مذکورہ بالا دو صورتوں کے سوا میں اور کسی جنگ کو نہیں جانتا۔ جوع الارض کی تسکین کے لیے جنگ کرنا دین اسلام میں حرام ہے۔ دین کی اشاعت کے لیے تلوار اٹھانا بھی حرام ہے۔ (اقبال نامہ، حصہ اول، ص ۲۰۴) (۴) حدیث ہے: **رھبانیۃ ھذہ الامۃ الجھاد فی الاسلام** (مسند احمد) ”اس امت کی رہبانیت اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے“۔ (۵) مولانا حمید الدین فراہیؒ نے جہاد کے حدود وشرائط پر جامع بحث کی ہے۔ دیکھیں تفسیر نظام القرآن، سورہ العصر۔

تزویجِ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک مطالعہ

پروفیسر ظفر احمد صدیقی

حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی نے ''سیر أعلام النبلاء'' میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تعارف اس طرح کرایا ہے:

خديجة أم المؤمنين وسيدة نساء العالمين فى زمانها أم القاسم ابنة خُويلد بن أسد بن عبد العزى بن قصى بن كلاب القرشية الأسدية أم أولاد رسول الله ﷺ وأول من آمن به و صدّقه قبل كلّ أحد و ثبت جأشه و مضت به إلى ابن عمها ورقة۔

حضرت خدیجہ ام المومنین اپنے زمانے میں دنیا کی تمام عورتوں کی سردار، حضرت قاسمؓ کی والدہ، خویلد بن اسد ابن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب کی بیٹی، قرشیہ اسدیہ، رسول اللہؐ کے بیٹے بیٹیوں کی والدہ، آپؐ پر سب سے پہلے ایمان لانے والی اور تمام لوگوں سے پہلے آپؐ کو سچا ماننے والی۔ انہوں نے آپؐ کے قلبِ مبارک کو تسکین دی اور اپنے چچازاد بھائی ورقہ کے پاس لے گئیں۔

ومناقبها جمة وهى ممن كمل من النساء كانت عاقلة جليلة دينة مصونة كريمة من أهل الجنة وكان النبى صلى الله عليه وسلم يثنى عليها ويفضلها على سائر أمهات المومنين و يبالغ فى تعظيمها بحيث إن عائشة

ان کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔ وہ ان خواتین میں ہیں جو درجۂ کمال کو پہنچیں۔ وہ عقل مند، جلیل القدر، دیندار، عیوب سے محفوظ اور نہایت شریف خاتون تھیں، وہ اہل جنت میں ہیں، نبیؐ ان کی تعریف فرماتے تھے۔ تمام امہات المومنین پر انہیں ترجیح دیتے تھے اور ان کی توقیر میں مبالغہ فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ

پروفیسر شعبۂ اردو، اے۔ ایم۔ یو، علی گڑھ۔

كانت تقول: ما غرت من امرأة ما غرت من خديجة من كثرة ذكر النبي لها۔

حضرت عائشہؓ کہتی تھیں: میں نے کسی عورت سے اتنی زیادہ غیرت نہیں کھائی جتنی کہ حضرت خدیجہ سے کھائی، کیونکہ نبیؐ ان کا کثرت سے ذکر فرمایا کرتے تھے۔

ومن كرامتها عليه صلى الله عليه وسلم أنها لم تزوّج امرأة قبلها وجاءه منها عدة أولاد ولم يتزوج عليها قط ولا تسرّىٰ إلى أن قضت نحبها فوجد لفقدها فإنها كانت نعم القرين وكانت تنفق عليه من مالها ويتجر هو صلى الله عليه وسلم لها۔

رسول اللہؐ پر ان کے لیے یہ بزرگی تھی کہ آپؐ نے ان سے پہلے کسی خاتون سے نکاح نہیں فرمایا۔ ان سے آپؐ کی کئی اولادیں پیدا ہوئیں۔ وہ جب تک زندہ رہیں آپؐ نے نہ تو کسی خاتون سے عقد فرمایا اور نہ کسی کنیز کو ہم خوابی کے لیے مقرر فرمایا۔ ان کی وفات کی وجہ سے آپؐ غمگین ہوئے۔ اس لیے کہ وہ بہترین رفیقِ حیات تھیں۔ وہ اپنے مال میں سے آپؐ پر خرچ کرتی رہتی تھیں اور آپؐ ان کے لیے سوداگری فرماتے تھے۔

وقد أمره الله أن يبشرها ببيت في الجنة من قصب لا صخب فيها ولا نصب۔ (۱)

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہؐ کو حکم فرمایا کہ وہ حضرت خدیجہ کو مروارید آبدار تازہ سے جنت میں بنے ہوئے ایک گھر کی خوش خبری سنادیں جس میں نہ کوئی شور و شغب ہے اور نہ کوئی تھکاوٹ۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کا نسب قصی میں جا کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات میں از روئے نسب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب تر تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصی کی ذریت میں حضرت خدیجہؓ کے علاوہ صرف حضرت ام حبیبہؓ سے نکاح فرمایا ہے۔ (تجتمع مع النبي صلى الله عليه وسلم في قصي، وهي من أقرب نسائه إليه في النسب، ولم يتزوج من ذرية قصي غيرها إلا أم حبيبة) (۳)

حضرت خدیجہؓ کی پہلی شادی ابوہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابوہالہ کے نام میں اختلاف ہے۔ زبیر بن بکار نے ان کا نام مالک بتایا ہے، ابن مندہ زرارہ بتاتے ہیں اور عسکری کہتے ہیں کہ ان کا نام ہند تھا (۴)۔ ابوہالہ کی وفات کے بعد حضرت خدیجہ کی دوسری شادی

حافظ ذہبی کے قول کے مطابق عتیق بن عابد بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم سے ہوئی (۵)۔ فتح الباری کے مطبوعہ نسخے میں ان کا نام عتیق بن عائذ لکھا ہوا ہے (٦)۔ سیر اعلام النبلاء کے محقق شعیب الارنؤوط کی تحقیق کے مطابق ''عائذ'' ''عابد'' کی تصحیف ہے۔ (۷) حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل ان یتزوج خدیجة قد سافر فی مالھا مقارضاً إلی الشام فرأی منه میسرة غلامھا ما رغبھا فی تزوجه۔ (۸)

نبیؐ نے حضرت خدیجہ سے شادی سے پہلے ان کا مال لے کر نفع میں شرکت کے معاہدے کے تحت شام کا سفر کیا تھا، اس وقت حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ نے آپؐ کی جانب سے ایسے امور کا مشاہدہ کیا جس نے حضرت خدیجہ کے دل میں آپؐ سے شادی کی رغبت پیدا کردی۔

ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری ''السیرة النبویة الصحیحة'' میں لکھتے ہیں:

تشیر روایات ضعیفة بل معظمھا واہ إلی تفاصیل تتعلق بزواج الرسول عن أم المؤمنین خدیجة بنت خویلد رضی اللہ عنھا وھی تحدد بدایة التعارف بینھما عن طریق عمل الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فی تجارة خدیجة التی کانت ثریة تضارب بأموالھا وقد ذھب بتجارتھا إلی جُرش مرتین أو حُباشة أو الشام فربح بتجارتھا وحکی لھا غلامھا میسرة الذی صحبه عن أخلاقه و طباعه فأعجبت به ورغم أن ھذہ المعلومات لم تثبت حدیثھا إلا

کچھ ضعیف بلکہ بیشتر خستہ و بوسیدہ روایات، رسول اللہؐ کی ام المومنین حضرت خدیجہ بن خویلدؓ سے شادی کے متعلق تفصیلات کی جانب اشارہ کرتی ہیں۔ ان سے متعین طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول پاکؐ اور حضرت خدیجہؓ کے درمیان تعارف کا آغاز حضرت خدیجہ کی تجارت کے سلسلہ میں رسول اللہؐ کے عمل کی راہ سے ہوا، وہ صاحب ثروت تھیں اور اپنا مال مضاربت کے طور پر تجارت میں لگایا کرتی تھیں آپؐ ان کا مال تجارت لے کر دو بار جُرش یا حُباشہ یا شام کی جانب گئے۔ یہ تجارت منفعت بخش ثابت ہوئی۔ حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ نے جو اس سفر میں آپؐ کے ساتھ تھے، حضرت خدیجہ سے آپؐ کے اخلاق و عادات کا تذکرہ کیا تو حضرت خدیجہؓ آپؐ کی فریفتہ ہوگئیں، یہ معلومات اگرچہ قواعد حدیث کی رو

أنها مشتهرة عند الأخباريين۔ (۹) سے ثابت نہیں ہیں، لیکن ارباب سیرت وتاریخ کے درمیان مشہور ہیں۔

امام زہری (۱۰) اور ابن اسحاق (۱۱) دونوں اس بات کے قائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت خدیجہؓ کی شادی خود ان کے والد خویلد بن اسد نے کی۔ محدثین میں یہی رائے حافظ ابن حجر عسقلانی کی بھی ہے۔ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

زوّجه إياها أبوها خويلد ذكره البيهقي من حديث الزهري باسناده عن عمار بن ياسر۔ (۱۲) حضرت خدیجہ کی شادی ان کے والد خویلد نے کی۔ بیہقی نے اس کا ذکر زہری کی حدیث کے حوالے سے کیا ہے، جس میں ان کی سند حضرت عمار بن یاسر تک پہنچتی ہے۔

حافظ ابن حجر کے اصول کے مطابق یہ روایت کم از کم درجۂ حسن کی ہے اور قابل استدلال ہے۔ (۱۳) حضرت عمارؓ بن یاسر کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت جابرؓ بن سمرہ کی روایات میں بھی یہ مضمون وارد ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی شادی ان کے والد نے کی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کے بارے میں صاحب مجمع الزوائد ابوبکر الھیثمی لکھتے ہیں:

رواه أحمد و الطبراني ورجال أحمد و الطبراني رجال الصحيح۔ (۱۵) اسے امام احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ احمد اور طبرانی کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

اسی طرح حضرت جابر بن سمرہ کی روایت کے بارے میں ابوبکر ہیثمی تحریر فرماتے ہیں:

أخرجه الطبراني والبزار و رجال الطبراني رجال الصحيح غير أبي خالد الوالبي و هو ثقة ورجال البزار أيضا رجال الصحيح غير أحمد بن يحيٰ الصوفي و هو ثقة لكنه ليس من رجال الصحيح۔ (۱۵) اس کی تخریج طبرانی اور بزار نے کی ہے۔ طبرانی کے رجال بجز ابو خالد والبی کے، صحیح کے رجال ہیں اور والبی ثقہ ہیں۔ بزار کے رجال بھی احمد بن یحیٰ الصوفی کے علاوہ صحیح کے رجال ہیں اور صوفی ثقہ ہیں۔

حافظ ابن حجر نے "کشف الأستار" میں ہیثمی کی تصحیح سے اتفاق کیا ہے (۱۶)۔ عصر حاضر کے محققین سیرت میں ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری نے "السيرة النبوية الصحيحة" میں (۱۷) اور

ابراہیم العلی نے ''صحیح السیرة النبویة'' (۱۸) میں اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔

اس کے برخلاف عمر بن ابی بکر المؤملی اور محمد بن عمر الواقدی دونوں اس کے قائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کی شادی ان کے چچا عمرو بن اسد نے کی تھی۔ مؤملی کی روایت امام بیہقی کی ''دلائل النبوۃ'' میں اس طرح منقول ہے:

عن ابراهيم بن المنذر قال حدثني المؤملي عمر بن أبي بكر قال حدثني غير واحد أن عمرو بن أسد زَوَّجَ خديجة رسول الله۔ (۱۹)

ابرہیم منذر کہتے ہیں کہ مجھ سے مؤملی عمر بن ابی بکر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک سے زیادہ لوگوں نے بیان کیا کہ رسول اللہؐ کے ساتھ حضرت خدیجہ کی شادی عمرو بن اسد نے کی۔

لیکن اس روایت کے بارے میں ابوبکر ہیثمی ''مجمع الزوائد'' میں لکھتے ہیں:

رواه الطبراني والبزار، وفيه عمر بن أبي بكر المؤملي وهو متروك۔ (۲۰)

اس کی روایت طبرانی اور بزار نے کی ہے۔ اس کی سند میں عمر بن ابی بکر مؤملی ہے اور وہ متروک ہے۔

واقدی کی روایت ''طبقات ابن سعد'' میں اس طرح مذکور ہے:

قال أخبرنا محمد بن عمر عن محمد بن عبدالله بن مسلم عن أبيه عن محمد بن جبير بن مطعم وعن أبي الزناد عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة وعن ابن أبي حبيبة عن دائود بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس قالوا: إن عمها عمرو بن أسد زوّجها رسول الله صلى الله عليه وسلم وأن أباها مات قبل الفجار۔ (۲۱)

ابن سعد کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن عمر (واقدی) نے خبر دی کہ محمد بن عبداللہ بن مسلم اپنے والد سے اور وہ محمد بن جبیر بن مطعم سے روایت کرتے ہیں۔ اسی طرح ابوالزناد، ہشام بن عروہ سے اور وہ اپنے والد سے اور وہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں۔ اسی طرح ابن حبیبہ، داؤد بن حصین سے اور وہ عکرمہ سے اور وہ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں: ان سب نے کہا کہ حضرت خدیجہؓ کے چچا عمرو بن اسد نے ان کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کی اور یہ بھی کہا کہ حضرت خدیجہؓ کے والد کا انتقال جنگ فجار سے پہلے ہو چکا تھا۔

امام عبدالرحمن سُہیلی کی تحقیق بھی یہی ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے والد کا انتقال حرب فجار سے پہلے ہو چکا تھا (۲۲)۔ حافظ شمس الدین ذہبی نے ''سیر اعلام النبلاء'' میں موضوع زیر بحث سے متعلق صرف واقدی کی روایت نقل کی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا رجحان بھی اسی رائے کی جانب ہے۔ علامہ شبلی نعمانی بھی خلاف توقع واقدی ہی کی رائے کے ہم نوا نظر آتے ہیں۔ چنانچہ رقم طراز ہیں:

> ''بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت خدیجہ کے والد زندہ تھے اور ان کی موجودگی میں نکاح ہوا، لیکن شراب میں مخمور تھے۔ جب ہوش میں آئے تو نکاح کا حال سن کر برہم ہوئے کہ یہ برابر کا جوڑ نہیں۔ لیکن یہ روایت صحیح نہیں، امام سُہیلی نے بہ تصریح اور بہ دلیل ثابت کیا ہے کہ حضرت خدیجہ کے والد جنگ فجار کے قبل انتقال کر چکے تھے''۔ (۲۳)

لیکن ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری نے واقدی کے قول سے اختلاف کرتے ہوئے بلاذری کی ''انساب الاشراف'' اور محمد بن حبیب کی ''المحبّر'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ کے والد خویلد ابن اسد اپنی قوم کے قائد کی حیثیت سے جنگ فجار میں موجود تھے۔ ان کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

أما الواقدی فیریٰ أن عمها عمرو بن أسد زوّجها لأن خویلد بن أسد مات قبل الفجار (طبقات ابن سعد ۱/ ۱۳۲۔ ۱۳۳) ولکن أخباریین یذکرون أن خویلد بن أسد کان زعیم قومه فی حرب الفجار (البلاذری: أنساب الأشراف ۱/ ۱۰۲ و محمد بن حبیب: المحبّر ۱۷) (۲۴)

حضرت خدیجہؓ سے نکاح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک بہ اتفاق اہل سیر پچیس سال تھی۔ چنانچہ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ''**فبنیٰ بها وله خمس وعشرون سنة**'' (۲۵) اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ''**وتزوجها سنة خمس وعشرین من مولده**'' (۲۶) البتہ حضرت خدیجہؓ کی عمر کے بارے میں اختلاف ہے۔ کلبی کی روایت ہے کہ بہ وقت نکاح ان کی اٹھائیس سال تھی:

الکلبی عن أبی صالح عن ابن عباس: أن النبی صلی اللہ علیه وسلم تزوجها بنت ثمان وعشرین سنة۔ (۲۷)

لیکن از روئے اسناد یہ روایت پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ شعیب الأرنؤط لکھتے ہیں:

اسنادہ ضعیف جداً الکلبی: ھو محمد بن السائب متروک و بعضھم اتھمہ بالکذب و أبو صالح ضعیف و اسمہ باذام۔ (۲۸)	اس روایت کی سند بہت کم زور ہے۔ محمد سائب کلبی متروک ہے، بعض لوگوں نے اسے کذب کے ساتھ متہم کیا ہے، ابوصالح ضعیف ہے، اس کا نام باذام ہے۔

ابوعبداللہ حاکم نے ''المستدرک'' میں ابن اسحاق سے بھی یہی قول نقل کیا ہے لیکن ابن اسحاق نے اس کی کوئی سند نہیں بیان کی ہے (۲۹)۔ ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ سے آپؐ کی چھ اولادیں تولد ہوئیں، دو بیٹے اور چار بیٹیاں۔ اس کے پیش نظر ابن اسحاق کا قول راجح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ پچاس سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے عورت پر عموماً سن ایاس طاری ہوجاتا ہے (۳۰)۔ عصر حاضر کے نامور محقق اور سیرت نگار ڈاکٹر محمد حمیداللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ (۳۱)

اس سلسلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے شادی کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی۔ یہ قول واقدی کا ہے۔ عام طور پر مصنّفین سیرت اسی قول کو نقل کرتے اور اسی کو راجح سمجھتے ہیں۔ شعیب الارنؤط لکھتے ہیں:

رواہ ابن سعد و اقتصر علیہ الیعمری و قدمہ مغلطای و البرھان و صحح۔ (۳۲)	ابن سعد نے اس کی روایت کی ہے۔ ابوالفتح ابن سید الناس الیعمری نے صرف اسی کو نقل کیا ہے۔ مغلطای اور برہان نے اسے پہلے ذکر کیا ہے، نیز برہان نے اسے صحیح بھی کہا ہے۔

علامہ شبلی نے یہاں بھی واقدی ہی کے قول کو اختیار کیا ہے۔ (۳۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی ''فتح الباری'' میں لکھتے ہیں کہ صحیح قول کے مطابق حضرت خدیجہؓ نے بعثت نبوی کے دس سال بعد اور ہجرت سے تین سال پہلے ماہ رمضان میں وفات پائی۔ انھوں نے رسول اللہؐ کی رفاقت میں پچیس سال بسر کیے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر پینسٹھ سال تھی۔ (۳۴) حافظ ذہبی بتاتے ہیں کہ وہ مکہ مکرمہ کے مقام حَجون میں مدفون ہیں۔ (۳۵)

حواشی

(۱) سیر اعلام النبلاء، شمس الدین محمد بن احمد الذھبی، تحقیق شعیب الارنوط، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۹۹۲ء، جلد دوم،

ص ۱۰۹۔۱۱۔(۲) بحوالہ بالا ص ۱۱۱۔(۳) فتح الباری شرح صحیح البخاری، ابن حجر العسقلانی، تحقیق عبدالعزیز عبداللہ بن باز و محمد فواد عبدالباقی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، طبع دوم ۱۹۹۷ء، جلد ہفتم ص ۱۶۷۔(۴) بحوالہ بالا ص ۱۶۷۔(۵) سیر اعلام النبلاء، جلد دوم ص ۱۱۱۔(۶) فتح الباری، جلد ہفتم ص ۱۶۷۔(۷) سیر اعلام النبلاء، جلد دوم ص ۱۱۱۔(۸) فتح الباری، جلد ہفتم ص ۱۶۷۔۱۶۸۔(۹) السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ، الدکتور اکرم ضیاء العمری، مکتبۃ العبیکان، الریاض، طبع چہارم، ۲۰۰۱ء جلد اول ص ۱۱۲۔ ۱۱۳۔(۱۰) المغازی النبویۃ للزہری ص ۴۲، بحوالہ السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ، جلد اول، ص ۱۱۳۔(۱۱) السیرۃ النبویہ لابن ہشام، تحقیق مصطفی السقاوغیرہ، بدون سنۃ، جلد اول ص ۱۹۰۔(۱۲) فتح الباری، جلد ہفتم ص ۱۶۷۔(۱۳) قواعد فی علوم الحدیث، مولانا ظفر احمد عثمانی، تحقیق عبدالفتاح أبوغدّۃ، حلب ۱۹۷۱ء۔(۱۴) مجمع الزوائد، أبوبکر الہیثمی: ۹/ ۲۲۰، بحوالہ صحیح السیرۃ النبویۃ، ابراہیم العلی، دارالنفائس، الاردن طبع نہم ۲۰۱۰ء، ص ۶۰۔ (۱۵) مجمع الزوائد: ۹/ ۲۲۲، بحوالہ صحیح السیرۃ النبویۃ، ص ۶۰۔(۱۶) بحوالہ صحیح السیرۃ النبویۃ، جلد اول ص ۶۰۔ (۱۷) السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ، جلد اول ص ۱۱۳۔(۱۸) صحیح السیرۃ النبویۃ، ابراہیم العلی، ص ۶۰۔۶۱۔(۱۹) دلائل النبوۃ للبیہقی: ۲/ ۱۷۔ ۳۷۔(۲۰) مجمع الزوائد: ۹/ ۲۲۰۔۲۲۱۔(۲۱) الطبقات الکبریٰ لابن سعد، دارصادر، بیروت ۱۹۶۰ء، جلد اول ص ۳۳۲۔ ۳۳۳۔(۲۲) بحوالہ سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانی، جلد اول، دارالمصنّفین، اعظم گڑھ، طبع جدید ۱۹۹۶ء، ص ۱۲۶۔ (۲۳) بحوالہ بالا، ص ۱۲۶۔ (۲۴) السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ، جلد اول ص ۱۱۳۔ (۲۵) سیر اعلام النبلاء، جلد دوم، ص ۱۱۱۔(۲۶) فتح الباری، جلد ہفتم ص ۱۶۷۔(۲۷) سیر اعلام النبلاء، جلد دوم، ص ۱۱۱۔(۲۸) ایضاً بحوالہ بالا، جلد دوم حاشیہ ص ۱۱۱۔(۲۹) المستدرک للحاکم: ۳/ ۲۰۰: ۴۸۳۵۔(۳۰) السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ، جلد اول، ص ۱۱۳۔(۳۱) نقوش، رسول نمبر، شمارہ ۱۳۰، دسمبر ۱۹۸۲ء، مرتبہ محمد طفیل، لاہور، جلد دوم، ص ۵۲۲۔(۳۲) سیر اعلام النبلاء، جلد دوم، حاشیہ ص ۱۱۱۔(۳۳) سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانی، جلد اول، ص ۱۲۷۔ (۳۴) فتح الباری، جلد ہفتم، ص ۱۶۸۔(۳۵) سیر اعلام النبلاء، جلد دوم، ص ۱۱۲۔

کلام عبداللہ قطب شاہ نئی تحقیق کی روشنی میں

پروفیسر محمد علی اثر

قطب شاہی سلطنت کا ساتواں فرماں رواں سلطان عبداللہ قطب شاہ (پیدائش ۱۰۲۳ھ م ۱۶۱۴ء جلوس ۱۰۳۵ھ م ۱۶۲۶ء وفات ۱۰۸۳ھ م ۱۶۷۲ء) دکنی اردو اور فارسی کا ایک خوش گوار اور با کمال شاعر تھا(۱)۔ اس کے والد سلطان محمد قطب شاہ نے اس کی تعلیم و تربیت کا خاص انتظام کیا تھا۔ چنانچہ اس کو میر قطب الدین نعمت اللہ مرزا محمد شریف شہرستانی، خواجہ مظفر علی اور مولانا حسین شیرازی جیسے نامی گرامی علما و فضلاء سے شرف تلمذ حاصل رہا ہے۔ وہ نہ صرف ایک رعایا پرور حکمران، دکنی تہذیبی روایات کا علم بردار، رقص و موسیقی کا دل دادہ اور اہل علم و ہنر کا قدردان تھا بلکہ اقلیم سخن کا تاج دار بھی تھا۔ وہ اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ کا نواسہ اور سلطان محمد قطب شاہ کا بیٹا تھا۔ اس کا دور حکومت ایک طرف شعر و ادب اور علوم و فنون کی ترقی اور امن و آسودگی سے عبارت ہے تو دوسری طرف اندرونی بغاوتوں اور فتنہ و فساد کے باعث دور انتشار بھی کہلاتا ہے۔

سلطان عبداللہ قطب شاہ اور اس کے نانا محمد قلی قطب شاہ کے مزاج اور طبیعت میں کئی امور مشترک نظر آتے ہیں۔ دونوں نہ صرف دکنی زبان کے خوش گو شاعر، علوم و فنون کے رسیا، پری تمثالوں کی صحبت میں شغل ساغر و جام اور بزم ہائے رقص و سرور منعقد کرنے کے عادی تھے بلکہ عالموں، شاعروں، ادیبوں اور اہل کمال کی سرپرستی بھی کیا کرتے تھے۔ دونوں کی طبیعت و مزاج کی اس مناسبت کے باعث عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں ادبی اور تمدنی نقطہ نظر سے گولکنڈہ میں وہی ماحول پیدا ہو گیا تھا

مکان نمبر ۹/۲۲۶-۴-۲۰ محبوب چوک، حیدرآباد ۵۰۰۰۰۲۔

جیسا کہ سلطان محمد قلی کے دور میں موجود تھا۔ ملک الشعرا غواصی نے لکھا ہے۔

مہاراج سلطان عبد اللہ ناوں ثریا کے تارک پو جس کا پاوں
دیکھت زور ور طالع اس راج کے صفا دار روشن دلاں آج کے
کہیں یوں بہ حق علی ولی کہ پھر جگ میں آیا محمد قلی
ڈوبے تھے ہنروند سوپھیر کر نکل آے تج دور میں تیر کر
دیا جیو پھر راگ ہور رنگ کوں کیا دور سینیاں پو کے زنگ کوں
بد یاونت ملکے ملک کے تمام ترے شہر میں آکیے سب مقام (۲)

عبداللہ قطب شاہ کے دور میں، اس کی قدر دانی کا شہرہ سن کر دور دراز ممالک کے علماء فضلا اور فنکار حیدرآباد میں جمع ہو گئے تھے۔ علامہ ابن خاتون، ملا جمال الدین، ملا علی بن طیفور اور ملا فتح اللہ سمنانی جیسے یکتائے روزگار علما اس کے دربار سے وابستہ تھے۔ اس دور میں متعدد علمی و ادبی کارنامے منصۂ شہود پر آئے۔ فارسی کی مشہور لغت ''برہان قاطع'' بادشاہ وقت کے زیر نگرانی پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اس ضخیم اور جامع لغت کو محمد حسین تبریزی نے مرتب و مدون کیا تھا۔ ملا نظام الدین نے اپنی معرکہ آرا کتاب حدیقۃ السلاطین اس دور میں لکھی۔ ملک الشعراء غواصی کے علاوہ اس دور میں دکنی کے بلند پایہ سخن ور، ملک الشعرا وجہی، ابن نشاطی، طبعی اور جنیدی داد سخن دے رہے تھے۔ اول الذکر نے سلطان عبداللہ قطب شاہ کی ایما پر اپنی شاہکار نثری تصنیف سب رس قلم بند کی۔

غواصی نے اپنی بے مثال مثنوی ''طوطی نامہ'' اسی دور میں لکھی۔ اس کے علاوہ اس نے سلطان عبداللہ کی مدح و توصیف میں متعدد بلند پایہ قصیدے لکھے۔ سلطان عبداللہ کی والدہ حیات بخش بیگم کی تعریف میں بھی ایک نظم اس کے دیوان میں ملتی ہے۔ ایک مثنوی میں بھی اس نے ملکہ حیات بخش بیگم کا ذکر بڑی عقیدت و احترام سے کیا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

یارب حیات بخش ہے توں سب جہان کا منگتا ہوں میں حیات بڑی یاں حیات بخش
یعنی مرے سجن کی جنی مائی کوں مدام رکھ تندرست ہور فراواں حیات بخش
سلطان عبداللہ جو جہاں کا ہے قطب اسے جو لگ ہے مہر ہور مہ تاباں حیات بخش (۳)
کتا ہے جس حیات اے کائنات آج الٰہی کے کرم سوں دے حیات آج

جنی مائی ہو اس ساجن کی آئی سودے جیو دان عالم کوں جِلائی
حیات آپی جنی ماں جس کی ہو آئے اسے خضر اس زمانے کا کہا جائے
ہو باران رحمت اس ماں کے اوپر آج جو عالم میں جنی ایسا کنور آج(۴)

اس مثنوی میں غواصی نے عبداللہ قطب شاہ کے دور کے پر کشش باغات و محلات، خوب صورت کوچہ و بازار، یہاں کی فرحت بخش ہوا اور یہاں کی درسگاہوں کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے۔

جوشہر اس شاہ کا ہے حیدرآباد سعادت ہور بقا اس کا ہے بنیاد
سراسر اس نگر کا جو ہوا ہے دکھیاں کا سُکھ مریضاں کا دوا ہے
بلندی میں مدرسے کا جو ہے نام مگر اسمان کا ہے عین وو تھام
صفائی اس نگر کے جو ہیں بازار ہزاروں اس میں چمناں ہور گلزار
کتا ہوں سچ غلط نئیں کوچ حاشا کہ ہے یاں ہفت کشور کا تماشا
عمارت یاں کے نادر میں کہوں کیا کہ چرخ اپنے جنم میں کیں نہ دیکھیا
زمیں کے پیٹ پر اس شہر کی طرح جو کوئی دیکھیا سو پایا فرح پر فرح(۵)

عبداللہ قطب شاہ غواصی کا مربی اور محسن تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابراہیم عادل شاہ جگت گرو کی طرح غواصی نے سلطان عبداللہ کو بھی جگت گرو اور مہابل کے نام سے یاد کیا ہے۔ اس کے عشقیہ کلام کی ستائش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ شاہ کے محبت بھرے گیت اور غزلیں عشق بازوں کے لیے آب حیات کے چشمے بن کر انہیں بقائے دوام عطا کرتے ہیں۔ ''قطب جہاں''، ''بادشاہ سخن'' بھی ہے۔ اس لیے اس کے کلام کو عرش سے ملائک آ کر بہ صد شوق قلم بند کر لیتے ہیں۔ ''شہ'' کے کلام کی لطافت اور نزاکت کو دیکھ کر فن شعر کے ماہر مرحبا کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ غواصی یہ بھی کہتا ہے کہ میں بادشاہ کے سخن پر اس لیے فدا ہوں کہ یہ میرے من کے درپن کو صیقل کر کے اسے شفاف بنا دیتا ہے۔ جہاں تک غواصی کی زبانی سلطان عبداللہ کے کلام کی ستائش کا تعلق ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ملک الشعراء نے اپنے مربی و محسن کے شایان شان اس کی مدح و توصیف میں تجاہل عارفانہ سے کام لیا ہے۔ عبداللہ قطب شاہ ایک خوش گو شاعر ضرور تھا لیکن اس کا کلام غواصی کے مرتبے کو نہیں پہنچتا۔ ایک درباری شاعر ہونے کے ناتے غواصی نے بالکل اسی طرح اپنے بادشاہ کے کلام کی تعریف میں مبالغہ سے کام لیا ہے

جس طرح ملک الشعرا نصرتی نے علی عادل شاہ شاہی کی تعریف وتوصیف میں مبالغہ آرائی کا مظاہرہ کیا ہے۔غواصی کے چند شعر دیکھیے(۶)۔

خیالاں شاہ کے چن چن بچن نادر جولیاتے ہیں　　دلاں کے آسماناں کے ہو تارے جگمگاتے ہیں

غزل ہور گیت ہر یک جو کہے ہیں عاشقانہ شہ　　جھرے امریت کے ہو عشق بازاں کو جلاتے ہیں

بچن قطب جہاں کا، ہر بچن کا پادشہ ہے کر　　ملک آ عرش کے لک آرزو سوں لک لجاتے ہیں

نہ کیوں قربان ہووں اس سجن کے ہر بچن پر میں　　کہ صیقل ہو میرے دل کے درپن کو منجاتے ہیں

عبداللہ قطب شاہ کے دور حکومت میں ادبیات اور تاریخ کے علاوہ دیگر علوم وفنون جیسے ریاضی، نجوم وغیرہ پر بھی بے شمار تصانیف قلم بند کی گئیں۔سلطان عبداللہ کا استاد ملا حسین فارسی کا ایک بلند پایہ شاعر، عالم اور متعدد کتابوں کا مصنف تھا۔اس کی مشہور کتابوں میں ''شرح نہجۃ البلاغت، ''ہدایت الابرار''، ''کتاب المعارف'' اور ''رابعۃ العمل'' کے نام قابل ذکر ہیں۔سلطان عبداللہ کا داماد سید نظام الدین احمد علم ریاضی ونجوم کا ماہر اور اپنے وقت کا بلند پایہ عالم تھا۔مختلف علوم وفنون پر ۱۰۸ رسالے اس سے یادگار ہیں(۷)۔اس دور کے ایک اور عالم شاہ قاضی تھے جنھوں نے بادشاہ کے ایماء پر عربی زبان کی ایک نادر ونایاب کتاب ''کثیر المیامن'' کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔عبداللہ قطب شاہ کے دربار سے وابستہ فارسی سخنوروں میں محمد حسین برہان تبریزی، ملا الفتی ساوی، فرج اللہ شوستری، رونقی ہمدانی، سالک یزدی، مرزا حمزہ استرآبادی ایسے شعرا ہیں جن کے کلام کے مطالعے سے اس دور کے سیاسی سماجی اور تہذیبی حالات کا پتہ چلتا ہے۔

محمد حسین برہان تبریزی نے اپنی لغت ''برہان قاطع'' کے دیباچہ میں بادشاہ وقت سلطان عبداللہ کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

شہے کہ درصف شاہان ہند ممتاز است　　چو درمیانہ یاراں ، علی ولی اللہ

ملا الفتی نے سلطان عبداللہ کی تعریف میں متعدد قصیدے لکھے ہیں۔اس کے علاوہ حیدرآباد کے محلات شاہی، چندن محل، گگن محل، سجن محل، لعل محل، دولت محل، ندی محل، حیدر محل، محمدی محل، الٰہی محل، چینی محل، امانت محل، داد محل اور حیات محل کے علاوہ دیگر تاریخی عمارتوں، کمانوں، دروازوں وغیرہ پر چھوٹی چھوٹی نظمیں بھی لکھی ہیں جن کے مطالعے سے ایک طرف اس دور کے حیدرآباد کی متحرک اور گویا

تصویریں نگاہوں کے سامنے گھوم جاتی ہیں تو دوسری طرف الفتی قطب شاہی دور کے پہلے فارسی نظم نگار کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ چند شعر دیکھیے۔

بہار فیضِ ازل قطب شاہ عبداللہ — کہ یافت نشاء عدلش سر تلنگانہ
لبالب از مہر عالم مہر علی و آلشد است — بدور دولت او ساغر تلنگانہ

(قصیدہ در مدح سلطان عبداللہ)

زہے شان دروازۂ شیر دل — کہ از رفعتش گر دۂ گردوں خجل
بہ ایں آستاں تا شود سرفراز — سجود آورو مہر باصد نیاز

(کمان شیر دل کی تعریف)

چونام لعل محل کلکم آورد بہ زباں — شوند معنی رنگیں بہ صفحہ لعل فشاں

(لعل محل)

کنم وصف چندن محل چوں رقم — بد ستم شود شاخ چندن قلم

(چندن محل)(۸)

فرج اللہ شوستری نے عہد عبداللہ میں دکن کو رشک ایران قرار دیا ہے۔

رشک ایراں شہ دکن در عہد عبداللہ شاہ — ہر چہ خواہی ہست اما بادۂ شیراز نیست (۹)

ملک الشعراء غواصی کو دربار عبداللہ قطب شاہ میں ایک با اعتماد مشیر کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ اپنے کلام میں جگہ جگہ اس نے حکومت کی بدانتظامی، رشوت خوری اور نظم ونسق کی خرابی پر سخت تنقید کی تھی اور بادشاہ وقت کو اس سلسلے میں مفید مشورے بھی دیے تھے۔ غواصی کہتا ہے۔

ہر کام میں کر حر کتاں بے شک وو لیتے رشوتاں — ہیں یو بڑے بے دولتاں، جم راج کرائے راج توں
پکڑے نہ تیوں کوئی لانچ کوں، کر قتل یاں دس پانچ کوں — سلگا غصے کی آنچ کوں، جم راج کرائے راج توں
اک بارا گر بہمن کشی، ہووے تو ہے سب کی خوشی — کیا کوں اُنن کی سرکشی، جم راج کرائے راج توں

غواصی کی طرح فارسی کے شاعر کاظم حسینی کریم نے بھی عبداللہ قطب شاہ کے نظم ونسق کو ہدف تنقید بناتے ہوئے بڑی دلیری اور جرأت مندی کے ساتھ اپنے ایک قصیدے ”گنج نامہ“ میں بادشاہ وقت کو مشورہ دیا تھا کہ حکومت کی بدعنوانیوں اور نظم ونسق کی خرابیوں کو فوری دور کیا جائے۔ قصیدے کے تمہیدی

اشعار میں وہ کہتا ہے کہ ''سات سالہ ملازمت کے دوران میرے ساتھ جو ناپسندیدہ اور نامناسب سلوک روا رکھا گیا وہ انصرام نظم ونسق کی خرابی کا آئینہ دار ہے'' (۱۰)۔ اس نے اس امر کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ اس کا وظیفہ پہلے کی بہ نسبت رفتہ رفتہ گھٹا دیا گیا، اگر اس کے ساتھ یہی سلوک روا رکھا گیا تو وہ ہمیشہ کے لیے حیدرآباد کو خیرباد کہہ کر اپنے وطن عراق کو لوٹ جائے گا۔

غواصی نے بھی مذکورہ بالا قصیدے میں عبداللہ قطب شاہ کو اہل ہنر اور صاحبان کمال کی قدر افزائی اور سرپرستی کرنے کی تلقین کرتے ہوئے کہا ہے۔

مجھ سار کے کئی لک بندے، مسکین دبلے درمندے ہیں تجھ کرم کے شرمندے، جم راج کر اے راج توں

گر شاعراں سوں توں لگے، خاطر فراغت سوں جگے تج سوں نہال ہوویں ہمے، جم راج کر اے راج توں

ایک اور مقام پر وہ سلطان عبداللہ کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔

غواص جو جونا ہے ترا داس شہا جیتا ہے لگ اس بس ہے ترا آس شہا

بن دام معطّل ہے مرا کام تمام تج مہر سوں یو دور کر افلاس شہا

جہاں تک عبداللہ قطب شاہ کی شاعری کا تعلق ہے، اس کے نامکمل دیوان کا واحد قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد کی زینت ہے جسے پروفیسر سید محمد نے سلسلۂ یوسفیہ حیدرآباد کی جانب سے ۱۹۵۹ء میں شائع کیا تھا۔ پروفیسر سیدہ جعفر اور جناب حسینی شاہد نے بالترتیب ''تاریخ ادب اردو ۱۷۰۰ء تک'' (۱۱) اور ''دکن میں ریختی کا ارتقاء'' (۱۲) میں اطلاع دی ہے کہ عبداللہ قطب شاہ کے دیوان میں ردیف ''الف''، ''ب'' اور ''ت'' کی ستانوے غزلیں موجود ہیں جو محل نظر ہے۔ سلطان عبداللہ کے قلمی دیوان میں ردیف ''ث'' کی بھی ستانوے غزلیں ہیں اور مطبوعہ دیوان میں بھی اتنی ہی تعداد میں ردیف ''ث'' کی غزلیں اور ایک مرثیہ بھی شامل ہے۔ ڈاکٹر چراغ علی کا یہ بیان بھی گمراہ کن ہے کہ ''کلیات عبداللہ قطب شاہ میں چار مرثیے ہیں'' (۱۳)۔ موصوف نے اپنی کتاب ''اردو مرثیے کا ارتقا'' میں عبداللہ قطب شاہ کے مطبوعہ دیوان میں شامل مرثیے کے علاوہ ادارۂ ادبیاتِ اردو اور کتب خانہ سالار جنگ کے قلمی ذخیرے کے حوالے سے صرف دو مرثیوں کی نشاندہی کی ہے (۱۴) جن کے ابتدائی اشعار درج ذیل ہیں۔

محرم ماہ ماتم کا علم زوراں اچایا ہے

گگن ساتوں عرش کرسی دھرت دکھ میں بھایا ہے (کذا)

گگن کی کفنی گلے میں بھا چاندموں کو خاک لا چپنڈنے کی (کذا)
پھریں ہوجوگی حسین کے دکھ سوں کریں صبا لک ان میں ماتم

آخر الذکر مرثیے کو ڈاکٹر ابوالفضل سید محمود قادری نے مرتب کر کے ''مجلہ تحقیقاتِ اردو'' میں شائع کر دیا ہے (۱۵)۔ مطلع درج ذیل ہے ۔

سنو محباں تمام ملکے ملک، دلّی ہور دکن میں ماتم اٹھیا ہے دکھ غلبلا جہاں میں کریں جمادی، گگن میں ماتم

مذکورہ بالا منظومات کے علاوہ حالیہ عرصے میں راقم الحروف کو عبداللہ قطب شاہ کی مزید دو غزلیں، ایک مرثیہ، ایک رباعی اور چند گیتوں کا پتہ چلا ہے۔ اس طرح عبداللہ قطب شاہ کی جملہ غزلوں کی تعداد ننانوے اور مرثیوں کی تعداد چار ہوجاتی ہے۔ سلطان عبداللہ کی ایک غزل (ریختی) مولوی سخاوت مرزا نے دریافت کی ہے جو ان کے مضمون ''قدیم اردو کی ایک نایاب بیاض'' مشمولہ رسالہ اردو (۱۶) کے علاوہ ''تاریخ ادب اردو'' (۱۷) میں بھی شامل ہے۔ ایک اور غزل کتب خانہ ادارۂ ادبیاتِ اردو کے ذخیرہ مخطوطات میں محفوظ ہے (۱۸)۔ ایک مرثیہ کتب خانۂ انجمن ترقی اردو کراچی کی ایک قلمی بیاض (نمبر ۶۱۱) میں محفوظ ہے۔ اس بیاض کے تمام مرثیوں کو مولوی افسر صدیقی امروہوی نے مرتب کر کے ۱۹۷۵ء میں ''بیاض مراثی'' کے نام سے شائع کر دیا ہے (۱۹)۔ مولوی سخاوت مرزا نے ''تاریخ ادب اردو'' (جلد اول) میں لکھا ہے کہ ایک قلمی بیاض میں عبداللہ قطب شاہ کی رباعیاں ان کی نظر سے گزری ہیں (۲۰)۔ انہوں نے اس بات کی صراحت نہیں کی کہ یہ رباعیاں انہوں نے کس سرکاری یا نجی کتب خانے کی بیاض میں دیکھی تھیں۔ البتہ ڈاکٹر جمال شریف نے اپنے ایک مضمون مشمولہ مجلہ عثمانیہ (دکنی ادب نمبر) میں عبداللہ قطب شاہ کی ایک رباعی ضرور درج کی ہے (۲۱) اور اپنی کتاب ''دکن میں اردو شاعری ولی سے پہلے'' میں سلطان عبداللہ قطب کی چند غیر مطبوعہ منظومات کے علاوہ ایسا کلام بھی شائع کیا ہے جو موسیقی پر ہے (ص ۳۲۶)۔

عبداللہ قطب شاہ نے ابراہیم عادل شاہ ثانی اور علی عادل شاہ شاہی کی طرح گیت بھی لکھے ہیں۔ مولوی نصیر الدین ہاشمی اور ڈاکٹر زور نے علی الترتیب ''دکنی کے چند تحقیقی مضامین'' اور ''دکنی ادب کی تاریخ'' میں اس کے گیتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ نصیر الدین ہاشمی کا بیان ہے کہ ''سلطان عبداللہ قطب شاہ نے کئی گیت بھی لکھے ہیں۔ یہ گیت ایک بیاض مملوکہ نواب محمد نصیر الدین خاں مرحوم میں موجود ہیں۔ ان

کے متعلق آغا حیدر حسن صاحب نے رسالہ ''نظام ادب'' (دسمبر ۱۹۴۲ء) میں صراحت کی ہے (۲۲)۔ ڈاکٹر زور نے لکھا ہے کہ عبداللہ قطب شاہ نے ابراہیم عادل شاہ کے نورس نامہ کے جواب میں اس موضوع پر ایک طویل منظوم اردو کتاب بھی اردو میں لکھی تھی۔ جو ایک خانگی کتب خانہ میں موجود ہے (۲۳)۔

محمد قلی قطب شاہ کی طرح سلطان عبداللہ کے دیوان میں حمد و نعت اور منقبت، عید مولود نبیؐ، عید رمضان، عید غدیر، بسنت، نوروز، مرگ، ٹھنڈ کالا، دُھپ کالا وغیرہ موضوعات پر مسلسل غزلیں، غزلیں اور ریختیاں بھی ہیں، منقبت حضرت علیؓ، جشن عید اور عشرت محل کی تعریف میں قصیدے اور ایسی غزلیں بھی خاصی تعداد میں موجود ہیں جنہیں پیاری، سکھی، سہیلی، موہن وغیرہ موضوعات کے تحت نظمیں قرار دیا جا سکتا ہے۔ عبداللہ قطب شاہ بنیادی طور پر غزل کا شاعر ہے اور اس کے دیوان کا بیشتر حصہ غزلوں پر محیط ہے۔

اظہار بیان کی سادگی و سلاست، برجستگی و بے ساختگی عبداللہ کی غزل کی اولین خصوصیت ہے۔ اس نے اپنے مشاہدات، احساسات اور تجربات زندگی کو سیدھی سادی زبان اور رواں پیرایۂ بیان میں پیش کیا ہے۔ سراپا نگاری وصل محبوب، ساغر و جام، چنگ و رباب اور عورت کے مختلف اعضاء، لباس، آرائش و زیبائش اور چال ڈھال کی تصویر کشی عبداللہ قطب شاہ کی غزل کے خاص موضوعات ہیں۔ اس کا تمام دیوان محبوب کے حسن و جمال، رفتار و گفتار، قد و قامت، لب و رخسار، چشم و ابرو کی تعریف و توصیف سے بھرا پڑا ہے۔ محبوب کی سراپا نگاری میں اس کو یدِ طولیٰ حاصل ہے۔ سراپا نگاری کے باب میں سلطان عبداللہ کے یہاں محمد قلی کی سی جزئیات نگاری، رنگارنگی اور تنوع تو نظر نہیں آتا لیکن عبداللہ کا کلام محبوب سے چھیڑ چھاڑ اور عریاں نگاری سے کسی حد تک پاک نظر آتا ہے۔

یا پھول ہیں پتیاں میں یا رات میں ہیں جگنے ۔۔۔ یا جوہراں کے دریا کوں آئیا اُبالا
یا مکھ کمل کھلیا ہے، یا چاند ہے پنم کا ۔۔۔ یا نور کا ٹھسا ہے دستا عجب جمالا
یا قد سروپ ہے وو، یا زلف کا الف ہے ۔۔۔ یا روپ لے بشر کا نپچیا ہے پھول ڈالا
یا وو دسن اہیں یا یاقوت ہیں جھلکتے ۔۔۔ یا ہیں انار دانے اپروپ بے مثالا
صدقے نبیؐ کے ایسی صاحب جمال بالی ۔۔۔ شاہ عبدلا کوں بھر بھر دیتی ہے خوش پیالا

بادشاہ وقت ہونے کے باوجود اس کے سینے میں ایک دردمند اور حساس دل ہے۔ اس کے

کلام میں شاہی رعب داب یا غرور وفخر کے بجائے عجز وانکسار دکھائی دیتا ہے۔ جذبے کی صداقت، لہجے کی گھلاوٹ اور سوز واثر کی وجہ سے اس کے اشعار اُردو شاعری کے سدابہار مرقعے معلوم ہوتے ہیں۔

سکھی کچھ بی سمجھ توں دل میں اپنے کِتا مِنت کرے عاشق بچارا
سکھی روس کر رھئی ہے کیا واسطہ کہ توں کی دل میں پکڑی چپ کیچ کینا
کتا تج پھول کی خاطر کداں لک بھنور ہو یوں پھروں ہرڈال ہرپات
قدم کر اپنا سرتوں گزر معشوق کی دھرتوں کہ یو گچ مفت میں پھرتوں وو تیرے کیے میں آسے نا
یاری لگی ہے پیاری ناری تو سیج آنا بھانا توں بھوت کرتی تو کیوں دل کو بھانا
کسے پیار کرنا کمال ہے پیارا ہمیچ ہیں ہمارے نہیں کوئی ہمارا

غزل میں ہندوستانی ماحول اور مقامی روایات کی ترجمانی دکنی شعرا کا اہم کارنامہ ہے۔ قدیم دکنی کے دیگر کلاسیکی شعرا کی طرح عبداللہ کی غزل بھی مقامی ماحول، مقامی تہذیب وتمدن اور مقامی معاشرت کی تصویر کشی کرتی ہے۔ اصلیت، واقعیت اور حقیقت پسندی اس کی غزل کی نمایاں خصوصیت ہے۔ اردو شاعری پر عموماً یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ ہندی نژاد ہونے کے باوجود ہندوستانی رنگ روپ سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی، اس کے سارے خدوخال ایرانی ہیں۔ اس کی نہروں میں دجلہ وفرات کی روانی ہے۔ اس کی عشقیہ داستانیں شیریں فرہاد اور وامق وعذرا کے افسانے سناتی ہیں، اس کے باغوں میں قمری وبلبل نغمہ سنجی کرتے ہیں، اس کے چمن میں سرو وصنوبر اگتے ہیں اور اس کی بہاریں لالہ وگل کھلاتی ہے۔ غرض اس کی تمثیلات، تشبیہات، استعارات، تلمیحات اور شاعری کے تمام عناصر عجمی ہیں۔ یہ خیال ۱۷۵۰ء کے بعد دہلی اور لکھنو میں نشوونما پانے والی شاعری کے لیے ایک حد تک درست معلوم ہوتا ہے لیکن دکنی شعرا اس خصوص میں کافی حقیقت پسند ہیں اور ایک صحت مند نقطہ نظر کی غمازی کرتے ہیں۔ دکنی شاعری میں ہندوستانی تہذیب کی روح رچ بس گئی ہے۔ اس لیے اس میں ہندوستانی فضا، ہندوستانی دیومالا اور مقامی تہذیب وتمدن اور روایات سے اثر پذیری کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ دکنی شاعری میں بسنت رت، مرگ اور نوروز بھی ہے اور بن باس، رام کا بان اور راجہ اندر کے اکھاڑے کی اپسرائیں، مینکا، اروشی اور رنبھا بھی۔ کوئل کی کوکو بھی ہے اور پپیہے کی پیہو پیہو بھی، بھونرا بھی ہے۔ جگنو بھی، کنول اور چنپا بھی ہے اور چنبیلی، سیوتی اور رابیل بھی۔ عبداللہ قطب شاہ کی غزلوں کے چند اشعار دیکھیے۔

ہراک تیرا پلک ہے رام کا بان ہراک سوکا ہے تیرا جیون کٹارا
رکھ عشق پہ دل کی آنکھ بنواس سیتا کی طرف تھے رام لیّا
بسنت آیا پھلایا پھول لا لا سکھی لیا اب صراحی ہور پیالا
سکھی جیوں رت بسنت کا شاہ آیا میرے تن من کوں رنگ رنگ لایا
کنول لوچن، کنول جوبن، کنول من کنول ایسی نول نے آ کھلایا
مجھ کیوں لگیا ہے ذکر سدا ہوستی پیا کوکا ہوکوکتا ہے دل یک روستی پیا
مین کا ، رنبھا ، اربسی آکے ناچیاں تو ہا ہا و ہوہو نے مندل بجایا
لٹ بیل ہے بنفشہ آنکھی ہر ئیک نرگس مکھ پھول سیونتی کا رخسار جوں ہے لالہ
رنگ بھریا منج گھر میں آج آیا بسنت غیب تھے تازہ طرب نیایا بسنت
جیوں ابھال یکدھر تھے چھا آفاق پر رنگ کا برسانت برسایا بسنت
کتا تج پھول کی خاطر کداں لگ بھنور ہو یوں پھروں ہرڈال ہرپات

عبداللہ کے کلام میں محبوب کو موہنی، پیاری، ناری، دھن، سودھن، سہیلی، پری وغیرہ ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ چند شعر دیکھیے ؎

سانولیاں سندر سکیاں میں اے موہنی پادشاہی کاچ دستا ہے ترا سب دبدبا
روزے کھلیں پیاری لیاری پرم پیالا جوبن پہ بات سٹنے کرتا ہے من اُلالا
ہاں نانچ کرتے لئی دن ہوکر گئے سہیلی آنا مرے کنے میں کِتّا کرے گی نانا
جسے پروا ہے پورا تجھ پری کا کدھیں وو جیو کی پروا نہ کیتا

عبداللہ قطب شاہ کی غزلیں داخلیت اور خارجیت دونوں رجحانات کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اس کے مزاج کی وارفتگی، سرشاری اور نفاست پسندی اس کی غزل میں داخلیت کو ظاہر کرتی ہے اور مناظر فطرت کی عکاسی، منتخب الفاظ کا استعمال، خوبصورت تشبیہات واستعارات کی فن کارانہ پیش کشی خارجی طور پر اس کے رنگ تغزل کو ظاہر کرتی ہے۔ حسب ذیل اشعار سے اس کی طبیعت کے اس رجحان کا پتہ چلتا ہے ؎

عشق کہتے سو وو ٹونا اہے کچھ کہ جس ٹونے کوں ہرگز نئیں اُتارا

عشق لگ تیج سب میں فاش ہوتا چھپیا کیوں روئی میں رہے گا انگار
نہیں ہے جس میں تیرا عشق اس تھے ہزاراں بار بہتر سنگ خارا
نیں اوپرالکھ بھکری ڈھلک کر جھلکتا سیام جل میں جانو تارا
زلف ہور مکھڑا ترا مجھ آنکھ تل دستا اہے یوں جوں بسالی ناگ سوں کرتا ہے آ عقرب حدیث
پانی میں چھپ رہیا نہ نکل لاج تھے کمل نازوک نرم دیکھ ترے وو ہنوار ہات
پھول میں لئی دیکھیا جا پھول باڑیاں میں ولے پھول نیئں دیکھیا تجھ ایسا کسی بن میں عجب
سچ کہو تجھ گل منے یا جو ہراں کی ہے پدک یا نکل پڑ آسماں پر تھے ہوا چور آفتاب

عبداللہ قطب شاہ کی شاعری کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کے کلام کا بیشتر حصہ غیر مردف غزلوں پر مشتمل ہے۔اس کے پیشرو شاعروں مثلاً محمد قلی، غواصی، وجہی وغیرہ کے یہاں یہ رجحان بہت کم پایا جاتا ہے۔عبداللہ کے دیوان کے منجملہ (۹۷) غزلوں میں سے (۵۶) غزلوں میں رویف کا اہتمام روا نہیں رکھا گیا ہے۔رویف سے زیادہ اس نے قافیہ پر توجہ کی ہے۔وہ چونکہ ایک ماہر موسیقی بھی تھا اس لیے اس کے کلام میں راگ راگنیوں اور موسیقی کے مختلف ساز وسامان مثلاً طنبورا، سرمنڈل، دوتارا، جنتر، چنگ ورباب کا بار بار ذکر آیا ہے۔

مرگ گرجیا سہیلیاں ہو ، الاپو راگ ملہارا کہ خوش موتیاں کے ہاراں ہو برستے میگھ کے دھارا
چنگ ہور رباب مست ہوے تھے اپس منے لذت سوراگ رنگ میں تو بے حساب تھا
ہوے قربان تیری تان پر تھے طنبور ، سرمنڈل ، جنتر، ودتارا

اس میں شک نہیں کہ اس کا بیشتر کلام غیر مردف ہے لیکن اس نے نہ صرف قافیہ کی مدد سے غزل میں ترنم اور موسیقی کا جادو جگایا ہے بلکہ نغمگی کا احساس پیدا کرنے کے لئے الفاظ کو اس نے بڑے سلیقے سے استعمال کیا ہے اور متعدد غزلوں میں چار چار یا اس سے زاید قافیے استعمال کیے ہیں۔ ہم قافیہ الفاظ کی تکرار سے اس نے ایک لے اور ایک جھنکار پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔اس خصوص میں چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

آفاق کا قبلہ تجے ،بولوں تو اے ساجن سجے وو جگ منے بس ہے مجھے، تیرے کرم کا کیمیا
عرفان کا جس فام اچھے تجھ سوں سدا اس کام اچھے تج کیا بجے جن خام اچھے ہے تو اچنبا سامیا

منگے گرتوں سرفرازی تو راضی بجاں بازی کہ غیر از یو مہم سازی تجھ اے عاشق سہاسے نا
گھٹ امرت کا ہے جیوں رنجن نجھا انکھیاں کولا انجن کہ یوں بن دغدغا بھنجن ہو تیرے دل تھے جاسے نا
جھمکتیاں بجلیاں گھن کیاں اتم پتلیاں ہو کندن کیاں کہکتیاں کوئلاں بن کیاں بتا ہنگام کا بارا
امنگ سوں آج اے ساقی دے پیالی بھر مئے باقی کہ گذری حد تھے مشتاقی ترت کر عیش کا چارا
مکھ جام جم ہوا ہے، خوباں سوں ہم ہوا ہے موہن ختم ہوا ہے ، تجھ پر یو دل رجھانا
صدقے نبی کے آل عبداللہ شہ سوں تل تل تج سوں لگایا دل دل تو ہوا ووانا

ایک مسلسل غزل مندرجہ بالا رجحان کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ اس میں چار سے زائد قافیے لائے گئے ہیں۔

چندر کلا ، تیرا گلا ، ہے نرملا ، اچکلا سو منج بھلا ، کے مبتلا ، کیا گلا ، وونرملا
نین میں لاتوں کا جلایتا بلا نکوگھلا لٹ اچپلا ہلوں ہلا کہ چلبلا ہے وو بلا
مرا دلا ہے باولا الا بلا مجھے بلا جو مدپلا تجھے گلالیوں بھلا کے چنچلا
درنگ نہ لا نہ کر گلا کہ بسملا مسوں مل آ پرت بھلا وقت بلالے آ گلا تلا
وو گد گلا ترا گلا دکھا جلانہ من رلا گلے کوں لا گلا ملا عمل کھلانہ کر کلا
ترا جلا سو جھلجھلا دسے طلا تھے اکلا توں ہے بلا کہ اچپلا ہے جل تھلا میں غلبلا
نبی کے صدقے عبدلا کدم سنے کوں لا تجھے ہلالیا ملا منگل گلا چندر کلا

بقول پروفیسر سلیمان اطہر جاوید ''صوتی ہم آہنگی بحر کی موسیقیت اور الفاظ کا ترنم عبداللہ قطب شاہ کے کلام کی نمایاں خصوصیت ہے۔ بعض غزلوں میں اس نے موسیقیت پر اس قدر توجہ دی ہے کہ الفاظ کی معنویت کو قربان کر دیا ہے'' (۲۴)۔

عبداللہ قطب شاہ کی بیشتر غزلیں صنائع بدائع کے حسن سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔ اس کے کلام میں صنعت سوال جواب، صنعت تضاد، حسن تعلیل، مراعات النظیر وغیرہ کی اچھی مثالیں موجود ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

گفتم کہ اے پری توں ہے فتنۂ زمانہ
گفتا کہ راست گفتی اے گن بھری سُجانا (سوال جواب)

رات اندھاری ہوئے کہ ہرگز پشمیانی نہ کھینچ
دن بھی آوے گا نکل روشن ہوتا ہاں غم نہ کھا (تضاد)

روپ تجھ اپروپ دے پیدا کیا ہے کر خدا
پائیا جانو خبر تو جا رھیا دور آفتاب (حسن تعلیل)

زلف ہور مکھڑا ترا مجھ آنکھ تل دستا ہے یوں
جوں بسا لے ناگ سوں کرتا ہے آ عقرب حدیث (مراعات النظیر)

پیالے ، پیالے ، پیالے ، یو پینا
دنیا میں ، دنیا میں یہی کچھ ہے جینا (تکرار)

دیوان عبداللہ قطب شاہ میں ایسے اشعار بھی موجود ہیں جن کے مضامین اور موضوعات کو زمانۂ مابعد کے بلند پایہ سخنوروں نے اپنے اپنے انداز میں دہرایا ہے تاہم قدامت اور اولیت سلطان عبداللہ ہی کو حاصل ہے۔ چند شعر دیکھیے۔

نکلے تو سیر کرنے چمن میں تو خم ہو سرو
دوڑائے تیرے پانو پہ بے اختیار بات (سلطان عبداللہ)

سایے کی طرح ساتھ پھریں سرو و صنوبر
تو اس قد دلکش سے جو گلزار میں آوے (غالب)

ملک عشق کا بھار ڈھونئیں سکیا ہے
میں انسان عاشق ہو یو بھار اٹھایا (سلطان عبداللہ)

سب پہ جس بار نے گرانی کی
اس کو یہ ناتواں اٹھا لیا (میر تقی میرؔ)

رات اندھاری ہوئے کہ ہرگز پیشمانی نہ کھینچ
دن بھی آوے گل نکل روشن ہوتا ہاں غم نہ کھا (سلطان عبداللہ)

طولِ غمِ حیات سے گھبرا نہ اے جگر
ایسی بھی کوئی رات ہے جس کی سحر نہیں (جگر مراد آبادی)

محمد قلی قطب شاہ کی طرح عبداللہ کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے بے پناہ عقیدت تھی۔ اس کے موجودہ دیوان میں چار نعتیں ملتی ہیں، جن میں سے دو نعتوں میں عبداللہ نے چار قافیوں کا اہتمام روا رکھا ہے۔ ہم قافیہ لفظوں کی تکرار کے باعث ان نعتوں کی دلکشی اور جاذبیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؂

خدا پیغمبری دے کر محمدؐ کوں جو سرجایا ملک کل برزمیں آیا جگ ایماں اس اُپر لیایا

ملک اسکا چ دم ماریں ستارے آپسیں واریں نہ کئی اس پوجنے ہاریں کہ وو اوتار ہو آیا

دسیں معجز عجب اس کے نبیاں ذرّے ہیں سب اس کے

دیا ہے ہات رب اس کے دنیا ہور دین کا مایا

لکھ فیض سوں پھر آیا دن دینِ محمدؐ کا آفاق صفا پایا دن دینِ محمدؐ کا

اسلام کرا تارا آیا جو نکل بھارا چھپ کفر گیا سارا دن دینِ محمدؐ کا

یو عید ہمن ساجے نصرت کے بجیں باجے ہے جگ کے نبی راجے دن دینِ محمدؐ کا

گلشن میں شریعت کے پھل کھیلے طریقت کے پرمل سوں حقیقت کے دن دینِ محمدؐ کا

صدقے نبی عبداللہ شہ کوں ہے مدد اللہ پنج تن ہیں گوا بااللہ، دن دینِ محمدؐ کا

محمد قلی کی طرح عبداللہ کی غزل کا تقریباً ہر مقطع ''نبی صدقے'' سے شروع ہوتا ہے وہ خود کو نبی کا ''داس'' اور ''سیوکی'' کہتا ہے۔ دنیاوی ترقی، شاہانہ وقار، شاعری میں جادو بیانی، عیش کوشی اور وصل محبوب کو بھی وہ نبیؐ کا صدقہ قرار دیتا ہے ؂

شاہ عبداللہ جو ہے حضرت نبیؐ کا سیوکی ہر گھڑی صلوات بھیجے دیکھ کر تیرا جمالا

نبیؐ کا ہوں میں سیوکی خاص تو یوں ہو سلطان عبداللہ جگ من کوں بھایا

میں عبداللہ ہوں داس اس کا دھروں دو جگ میں آس اس کا

بھنور ہو لیوں باس اس کا محمد ہو منجے بھایا

صدقے نبی کے شاہ نول عبدلا ہو توں مقصود ہو مراد ستی کامیاب تھا

نبی کے صدقے عبداللہ سدا توں شکر کر اس کا جُکوئی تجھ کوں نوازیا ہور شاہی کا ہدا دیتا

صدقے نبی کے شوخ الھڑ شا عبدلا جوگی سگھڑ تجھ جو بنا کے دوئی گڑ خوش دست کو بلکائیا

نبی کے صدقے عبداللہ تجھ کوں میا سکھ عشق کا چھاتی سوں لایا

سلطان عبداللہ کے کلام میں ایسی مدحیہ اور توصیفی نظمیں بھی ملتی ہیں، جن پر قصیدہ کا اطلاق ہوسکتا ہے۔اس کے دیوان میں اس قبیل کی کوئی پانچ نظمیں موجود ہیں۔دو حضرت علیؑ کی منقبت میں ہیں،ایک عید غدیر کی توصیف میں،ایک جشن عید کی تعریف میں اور ایک ''عشرت محل'' کی مدح ہیں۔ان منظومات میں قصیدہ نگاری کے تمام لوازم و اجزا تو نہیں ہیں لیکن غزلوں کے مقابلے میں ان کا ڈکشن بدلا ہوا ہے خصوصاً مدح نگاری میں سلطان عبداللہ نے اپنے فن کا کمال دکھایا ہے۔چند نمونے ملاحظہ ہوں ؎

علی شیر حق، شاہِ دلدل سوارا کھندل کفر کے دل بھجن کرنہارا

چھٹے تھرتھری باو، اگن، خاک، جل کوں کھڑا ہوئے جب ہات لے ذوالفقارا

فدا نانوں پر اس کے تل تل کوں جاوے خدا کا جو عالم ہے ہژدہ ہزارا

علی جو ہے دونوں جہاں کا امیرا ہمن کوں نہیں اس بن دوجا دستگیرا

ولایت کرے، ملک کا اس دھنی کر دیا اس کے ہت اپنی قدرت قدیرا

اے موموناں خوشیاں کے چشمیاں کو نیر آیا یعنی جہاں میں سر تھے عیدِ غدیر آیا

ہے عید یو شرف کا، شاہنشہ بخف کا سارے ولیاں کی صف کا، وو ہوا امیرا

محمد قلی کی طرح سلطان عبداللہ نے بھی متعدد باغ اور محلات بنوائے تھے۔حدیقۃ السلاطین کے مولف نے ایک چار منزلہ محل کا تذکرہ کیا ہے جس کی تعمیر میں ہاتھی دانت اور صندل کی لکڑی استعمال کی گئی تھی اور اندرونی دیواروں پر رنگ کا کام کیا گیا تھا۔غالباً وہ محل ''عشرت محل'' ہے جس کی تعریف و توصیف میں عبداللہ قطب شاہ نے سات اشعار کا ایک قصیدہ لکھا ہے۔اس محل کے خوب صورت طاق اور نقش و نگار سے مزین دیواروں کی مدح سرائی کرتے ہوئے سلطان عبداللہ نے اسے دکن کی آنکھوں کی پتلی اور ایک نوشگفتہ پھول کہا ہے۔اور یہ بھی لکھا ہے کہ روئے زمین پر ایسا شان دار محل جمشید و دارا نے بھی نہیں بنوایا ؎

یو دل کُشنا عشرت محل مطبوع اوتار ہوا جوتی زمیں کی پیٹھ پر جیوں مشتری تارا ہوا

ہر طاق یاں خوش طرح کا، دستا دریچہ فرح کا عاجز ہو اس کی شرح کا حیران سنسارا ہوا

نازک اچنبا بے بدل لکھن بھریا ایسا محل باندیا نہ کوئی آخر اول جمشید یا دارا ہوا

جیوں پھول تازہ بن منے جوں پوتلی لوچن منے تیوں آج اس دکھن منے یو محل اتم سارا ہوا

دبستان دکن کے دیگر شعراء کی طرح عبداللہ قطب شاہ نے بھی ریختی کو اپنی طبع کا موضوع بنایا ہے۔ اس کے دیوان میں گیارہ ریختیاں ملتی ہیں۔ ان کے علاوہ مولوی سخاوت مرزا نے اپنے مضمون ''قدیم اردو کی ایک نایاب بیاض'' میں عبداللہ کی ایک اور ریختی کی نشاندہی کی ہے (۲۵)۔

محمد قلی کی طرح عبداللہ کی ریختیوں میں بھی شاہی محلات کی زندگی کا عکس نظر آتا ہے۔ اس کی ریختیوں میں محبوب کے لیے پیا، پیارا، پیو، شاہ، شہ، راجنا، جانی، سائیں، لال، لالہ، سجن، من موہن کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ان ریختیوں میں جو عورت جلوہ گر ہے وہ عاشق کے روپ میں ہجر کی راتیں گذارتی ہے۔ آہیں بھرتی ہے، سوت اور دوتن سے حسد کرتی ہے۔ لیکن محبوب کو بے وفائی کے طعنے نہیں دیتی۔ اسے اس بات کا بہ خوبی احساس ہے کہ اس کا محبوب بادشاہ ہے اس لیے ہر ہر گام پر اس کی مرضی کا احترام کرتی ہے۔ بے بسی کے عالم میں اپنے معشوق سے التجا کرنا اور خدا سے وصلِ محبوب کی دعا کرنا اس کا محبوب مشغلہ ہے۔

نبی صدقے عبداللہ سلطان سوں ملا رکھ مجھے نت مرے ربّنا
مجھ کیوں لگیا ہے ذکر سدا ہوستی پیا کوکا ہو کو کتا ہے دل یک روستی پیا
صبح کے وقت دیا مجھ کوں سگن خوب کوا آج احوال مرا پیو کوں بھیجوں گی کوا
برہ کو سوسنے کا مجھ منے تو کچھ تاب نہیں عشق پیوسات لگائی سو ہے اجنوں وونوا

عبداللہ کی ریختیوں میں ایک ہندوستانی شوہر پرست بیوی جلوہ گر ہے جو اپنے ''پیا'' کو ہی اپنی زندگی سمجھتی ہے۔ اس کے لیے سولہ سنگھار کرتی ہے۔ اس کو رجھاتی ہے اور اس کی خوشی اور دل جوئی کا پورا خیال رکھتی ہے۔

راقم الحروف کو ''دیوان عبداللہ قطب شاہ'' اور ''دیوان غواصی'' کے قلمی نسخوں کی چھان بین کرنے کا موقع ملا ہے (۲۶)۔ غواصی کے مخطوطے میں اکتیس ایسی غزلیں بھی نظر سے گزریں جو کسی قدر ردوبدل اور اختلاف تخلص کے ساتھ سلطان عبداللہ کے قلمی اور مطبوعہ دیوان (مرتبہ پروفیسر سید محمد) میں بھی شامل ہیں۔ ذیل میں غواصی کے قلمی دیوان میں موجود ایسی غزلوں کے مطلع اور مقطع اور دیوان عبداللہ کے صرف مقطعے درج کیے جاتے ہیں۔

عشق میں جاناں کے ثابت اچھ تو اے جاں غم نہ کھا
عہد و پیماں رکھ درست اپنا یہاں ہاں غم نہ کھا
لا ابالی اچھ سدا ہور ذوق کر غواصیا
ہے ترے سر پر قوی باراں اماماں غم نہ کھا (دیوان غواصی قلمی۔ ورق ۱۷الف)

عبدلاؔ صدقے نبی کے رواج کرتوں ذوق سوں
ہے ترے سر پر قوی باراں اماں غم نہ کھا (دیوان عبداللہ قطب شاہ ص۱۸)

لٹکتی چال سوں جیوں سرد ڈلتی ہور ٹھمکتی آ
مدن کے جام کا جو ہے متا غواؔص اگر اس توں
.... (کرم خوردہ) ....
اُمس میں لیانے منگتی ہے تو اسے چنچل ہنکتی آ (دیوان غواصی ورق ۱۱الف)

نبی صدقے مدن متوال عبداللہ راجے کوں
اُمس میں لیانے منگتی ہے تو اے چنچل مٹکتی آ (دیوان عبداللہ قطب شاہ، ص۴۳۔۴۴)

...... خلوت کا اول گمنے کوں جاگا دیکھنا
باطن کی انکھیاں سوں بزاں جو مکھ دکھا گا دیکھنا
غواص دل دریا منے پانے کوں موتی عشق کا
ڈبکی تو کھایا ہے نکل کاں کاں تھے آ گا دیکھنا (دیوان غواصی ورق ۱۹ب)

صدقے نبی اے عبداللہ تج عشق کے دریا میں دل
ڈبکی تو کھایا ہے نکل کاں کاں تھے آ گا دیکھنا

ٹیلا ...... چندرسی پشانی کا
مجھ آنکھ تلیں جھمکے تارا ہو بہانی کا
لگ رہ ترے مکھڑے سوں جھلتا ہے ادھر پر خوش
غواص جو موتی ہے دریائے معانی کا (دیوان غواصی ورق ۱۸ب)

صدقے نبی اے چنچل آج اہل سخن میانے

غواص ہے عبداللہ دریائے معانی کا (دیوان عبداللہ ص ۶۰۔۶۱)

تجھ کان پر جھمکتا جوتی دو گوش پارا

دستا ہے مجہ ثریا کا عین جیوں ستارا

.... (کرم خوردہ) ....

.... (کرم خوردہ) .... (دیوان غواصی :ص:۲۲۔۲۵)

صدقے نبی کے حالی شا عبداللہ وصالی (دیوان عبداللہ ص ۲۲۔۲۵)

عاشق ہے تیرا بالی ہم جیو کا ہے پیارا

درج ذیل غزلوں کے صرف مقطعوں میں تغیر وتبدل کیا گیا ہے۔ مطلع دونوں کے یہاں مشترک ہیں اس لیے یہاں صرف مقطع نقل کیے جاتے ہیں۔

کسی کے چھند ہور چالے پہ ہرگز رجھنا نیں سوں

غواصی کوں رجھایا آج تیرا چھند ہور چالا (دیوان غواصی ورق ۱۵ب)

نبی صدقے نوی جانی کے تازے گل عذاراں میں

رجھایا شاہ عبداللہ کوں تیرا چھند ہور چالا (دیوان عبداللہ ص ۵۸)

گفتم کہ کیست اینجا تیرا پران پیارا

گفتا کہ اے غواصی ہے توں مرا پرانا (دیوان غواصی ورق ۱۸ب)

گفتم کہ کیست اینجا تیرا پران پیارا

گفتا کہ شاہ عبداللہ ہے مرا پرانا (دیوان عبداللہ ص ۶۴)

غواصی ہوں میں داس اس کا دھروں دو جگ میں آس اس کا

بھنور ہو لیوں باس اس کا محمد ہو او مجھ بھایا (دیوان غواصی ورق ۱۱۴الف)

میں عبداللہ ہوں داس اس کا دھروں دو جگ میں آس اس کا

بھنور ہو لیوں باس اس کا محمد ہو او مجھ بھایا (دیوان عبداللہ ص ۳)

پرم مدسات ماتا ہو یو باتاں عاشقی کے دو

کہیا ہے جو غواصی سو بغر عاشق کوں بھاسے نا (دیوان غواصی ورق ۱۷ب)

نبی کے صدقے یک دل ہو یو باتاں عشاق کے دو
کیا ہے عبداللہ شہ سو بغر عاشق کوں بھاسے نا (دیوان عبداللہ ص ۲۰)

غواص کل وصال کی لذت تھے میرا دل
مقصود ہور مراد سوں خوش کامیاب تھا (دیوان غواصی ورق ۷ا ب)

صدقے نبی کے شاہ نول عبدلا ہوتوں
مقصود ہور مراد ستی کامیاب تھا (دیوان عبداللہ ص ۱۵)

غواصی عاشقی کر لا ابالی ہور خوش حال اچھ
کہ تجھ پر سرفرازی کا نظر ہے اس پر انی کا (دیوان غواصی ورق: ۱۷ الف)

نبی صدقے اے سلطان عبداللہ تو خوش حال اچھ
کہ تجھ پر سرفرازی کا نظر ہے اس پرانی کا (دیوان عبداللہ ص ۳۸)

سات اے سودھن سگھڑ آ غواص ساری رات لڑ
تجھ جو بناں کے دوئی گڑ خوش دست کر بلکائیا (دیوان غواصی ورق ۱۴ ب)

صدقے نبی اے شوخ الھڑ شاہ عبدلا بھوگی سگھڑ
تج جو بناں کے دوئی گڑ خوش دست کر بلکائیاں (دیوان عبداللہ ص ۲۱)

تحقیق کر سمجھ آج امرت تھے اے غواصی
فاضل ہزار جاگا پیو کا ادھر ہے آلا (دیوان غواصی ورق ۱۳ ب)

صدقے نبی کے کیتی ہوں میں سنو سکیاں ہو
سلطان عبدلا سونج جیو کا ہے لا لا

صد ہزاراں شکر جو غواص کی انکھیاں کوں تازا
ہر گھڑی دیوے صفا بے مثل یو تیرا جمالا (دیوان غواصی ورق ۱۳ ب)

شاہ عبداللہ جو ہے حضرت نبیؐ کا سیو کی
ہر گھڑی صلوات بھیجے دیکھ کر تیرا جمالا (دیوان عبداللہ ص ۵۵)

عاشق جاں باز غواص اے سکی تجھ عشق میں

یوں ہوا مشہور جگ میں جیوں ہے مشہور آفتاب (دیوان غواصی ورق ۱۹ اب)

شاہ عبداللہ نبیؐ کے صدقے تیرے عشق میں
یوں ہوا مشہور جگ میں جیوں ہے مشہور آفتاب (دیوان عبداللہ ص ۸۹)

دل کی انکھیاں سوں نجھا غواص تجھ
خوبرویاں میں کیا ہے انتخاب (دیوان غواصی ورق ۱۹ اب)

شاہ عبداللہ نبی صدقے تجھے
خوب رویاں میں کیا ہے انتخاب (دیوان عبداللہ ص ۹۰)

راز کیاں باتاں اگر منگتا ہے توں کچھ پوچھنے
پوچھ آ غوص تھے ہے شاعر حاضر جواب (دیوان غواصی ورق ۲۰ ب)

راز کیا باتاں نبی کے صدقے پوچھے گا اگر
شاہ عبداللہ کوں پوچھ آ کہ ہے حاضر جواب (دیوان عبداللہ ص ۹۱)

ایک دل پکچت سوں غواصی لگایا دل تسوں
مہر ہور یاری محبت دیکھ تجھ دھن میں عجب (دیوان غواصی ورق ۲۰ ب)

شاہ عبداللہ نبی کے صدقے دل لگایا تسوں
مہر ہور یاری محبت دیکھ تجھ دھن میں عجب (دیوان عبداللہ ص ۹۲)

دعا برلیا مرا اے رنگ راتی لے دعا
ہر گھڑی غواص عاشق کا کہ ہے تجھ لئی ثواب (دیوان غواصی ورق ۲۰ ب)

مدعا برلیا مرا صدقے نبی کے لے دعا
شاہ عبداللہ کا دائم کہ ہے تجھ لئی ثواب (دیوان عبداللہ ص ۹۵)

ترے لب کے مٹھے گڑ کا بقال ہو آپ غواصی
لیا بھر من کی دکاں میں مٹھا گڑ ترے لب کا سب (دیوان غواصی ورق ۲۰ ب)

نبی کے صدقے عبداللہ شاہ لاکھ آرزو سیتی
لیا ہے لوٹ کر اے دھن مٹھا گڑ ترے لب کا سب (دیوان عبداللہ ص ۹۶)

غواصی کے نمن تجھ کوں سرانے نوانبر میانے
فرشے شاعراں ہو کر کیے ہیں تیز جیباں سب (دیوان غواصی ورق ۱۲۱الف)

نبی صدقے سرانے تجھ کوں شاہ عبداللہ کے نمنے
فرشتے شاعراں ہو کر کئے ہیں تیز حبیباں سب (دیوان عبداللہ ص ۹۷)

امید چودواں یو ہے جو مجھ غواص پر
دیا سوں چہاردہ معصوم کا اچھے ہر سات (دیوان غواصی ورق ۲۵ب)

امید چودواں ہے شاہ عبداللہ کا یہی
جو مہر چہاردہ معصوم کا اچھے ہر سات (دیوان عبداللہ ص ۹۹)

پھول ہو کیوں نہ کھلوں پیو کے کرم تھے غواص
ہات چڑی ہے مری آج خوشی کی برات (دیوان غواصی ۲۵ب)

صدقے نبیؐ کے مرے دل میں رھیا ہے مدام
جیو ہو شاہ عبداللہ خسرو عالی صفات (دیوان عبداللہ ص ۱۰۱)

غواص عاشقاں میں کرے کیوں نہ ناز آج
تجھ سار کا چڑیا ہے در شاہوار ہات (دیوان غواصی ورق ۲۵ب)

صدقے نبیؐ کے شکر کرائے شاہ عبداللہ
تجھ سار کا چڑیا ہے دیکھ شاہوار ہات (دیوان عبداللہ ص ۱۰۲)

یقیں جان اے غواصی باج عاشق
سمجھ سکے نہ کوئی معشوق کی دھات (دیوان غواصی ورق ۲۴ب)

نبی کے صدقے پرت لائی ہوں خوب
سمجھ تجھ شاہ عبداللہ کا دھات (دیوان عبداللہ ص ۱۰۵)

غواصی کے قلمی دیوان میں اس غزل کا صرف مقطع ضائع ہوگیا ہے۔ مطلع دونوں شعراء کے یہاں مشترک ہے۔

رنگ بھریا مجھ گھر میں آج آیا بسنت

غیب تھے تازا طرب لیا یا بسنت (دیوان غواصی ورق ۲۶ الف)
مصطفی ہور مرتضیٰ کے صدقے آج
شاہ عبداللہ کوں بھایا بسنت (دیوان عبداللہ ص ۱۰۶)
خلوت میں دل کے عالم بالا کے عارفاں
کرتے ہیں تجھ غواص ستی آمدام بحث (دیوان غواصی ص ۲۶ الف)
صدقے نبیؐ کے عالم بالا کے عارفاں
شاہ عبداللہ کنے تھے سیکیں آمدام بحث (دیوان عبداللہ ص ۱۰۹)
عشق کے سمدور کا غواص ہو آج اے نگار
تجھ زباں تھے سننے کا دھرتا ہوں میں مطلب حدیث (دیوان غواصی ص ۲۶ ب)
شاہ عبداللہ ہو صدقے نبی کے ہر گھڑی
تجھ زبان تھے سننے کا دھرتا ہوں میں مطلب حدیث (دیوان عبداللہ ص ۱۱۰)
غواص کو رجھاے کر آج اے چنچل
ہزاراں چھند سوں تیرا نین مستانہ ہے باعث (دیوان غواصی ص ۲۶ ب)
نبیؐ کے صدقے شاہ عبداللہ کے من کوں رجھانے آج
ہزاروں چھند سوں تیرا نین مستانہ ہے باعث (دیوان عبداللہ ص ۱۱۳)
عشق کے فن ماہر توں ہوئے باج غواص
عشق بازاں میں نہ کر اپسیں بدنام عبث (دیوان غواصی ص ۲۶ ب)
عشق کے فن منے صدقے نبیؐ کے آج تلک
شاہ عبداللہ ہوا میں کدھیں بدنام عبث (دیوان عبداللہ ص ۳۶ ب)
معشوق دے جو اس کے دیکھ چھند بند تلتل
مطلق غواص نمنے حالت میں آئے عاشق (دیوان غواصی ص ۲۶ ب)
مطلوب دے جو حیدر کے صدقے اس کی دھرتے
شاہ عبداللہ کے نمنے حالت میں آئے عاشق (دیوان عبداللہ ص ۹۳)

مخلوط غزلوں کے تقابلی مطالعے کے بعد راقم الحروف کا خیال ہے کہ یہ تمام غزلیں غواصی ہی کی تخلیق ہیں۔ایک تو اس لیے کہ یہ غزلیں غواصی کے مخصوص ذخیرۂ الفاظ اور اس کے منفرد اسلوب بیان کی ترجمانی کرتی ہیں۔دوسرے یہ کہ غواصی سلطان عبداللہ کا درباری شاعر تھا اور کسی ملک الشعراء کے کلام کا حاکم وقت کے کلام میں گڈمڈ ہو جانا قرین قیاس ہے لیکن بادشاہ کے کلام کا ملک الشعراء کے کلام میں اختلاط پاجانا قرین قیاس نہیں۔اس بات کا قوی امکان ہے کہ غواصی نے اعزاز و اکرام اور مالی منفعت کی خاطر اپنی غزلوں کے مقطعوں میں سلطان عبداللہ کے مزاج وطبیعت کے رجحان اور مسلک کے پیش نظر ''صدقے نبی''، ''مصطفی ہور مرتضیٰ کے صدقے''، ''حیدر کے صدقے'' جیسے الفاظ تخلص کی تبدیلی کے ساتھ اضافہ کر کے ان غزلوں کو عبداللہ قطب شاہ کی نذر کیا ہو۔

حواشی

(۱) مولوی سخاوت مرزا نے اپنے ایک مضمون ''قدیم اردو کی ایک نایاب بیاض''، مشمولہ رسالہ اردو کراچی اپریل ۱۹۵۴ء، ص ۲۱، عبداللہ قطب شاہ کو فارسی کا صاحب دیوان شاعر قرار دیا ہے لیکن تاحال اس کا فارسی کلام دستیاب نہیں ہوا۔ (۲) طوطی نامہ مرتبہ میر سعادت علی رضوی، ص ۶ تا ۹۔ (۳) دیوان غواصی مرتبہ محمد بن عمر، ص ۱۸۲۔ (۴) ایضاً، ص ۱۹۳۔ (۵) ایضاً، ص ۱۹۳، ۱۹۴۔ (۶) دکنی شاعری تحقیق وتنقید از محمد علی اثر، ص ۷۴۔ (۷) اختر حسن قطب شاہی دور کا فارسی ادب، ص ۱۴۰۔ (۸) ایضاً، ص ۱۵۶، ۱۵۷۔ (۹) ایضاً، ص ۱۶۰۔ (۱۰) ایضاً، ص ۱۴۹۔ (۱۱) تاریخ ادب اردو ۱۷۰۰ء تک، ج ۳، ص ۶۴۶، (مرتبہ سیدہ جعفر و گیان چند)۔ (۱۲) بدیع حسینی، دکن میں ریختی کا ارتقاء، ص ۲۵۶۔ (۱۳) ڈاکٹر چراغ لی، اردو مرثیے کا ارتقاء بیجاپور اور گولکنڈہ میں، ص ۱۲۷۔ (۱۴) ایضاً۔ (۱۵) پروفیسر غلام عمر خاں، مجلہ تحقیقات اردو۔ شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ ۱۹۸۰ء، ص ۳۶۔ (۱۶) سخاوت مرزا، قدیم اردو کی ایک نایاب بیاض، اردو، کراچی، اپریل ۱۹۵۴ء، ص ۲۱۔ (۱۷) تاریخ ادب اردو، ج ۱، مرتبہ عبدالقیوم، پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز لمیٹڈ کراچی، ۱۹۶۱ء، ص ۴۶۲۔ (۱۸) تذکرۂ اردو مخطوطات (ج ۱) مرتبہ ڈاکٹر زور ترمیم و اضافہ ڈاکٹر محمد علی اثر، ۱۹۹۶ء، ص ۴۲۲۔ (۱۹) بیاض مراثی، مرتبہ افسر صدیقی، انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی، ۱۹۷۵ء، ص ۷۷۔ (۲۰) تاریخ ادب اردو، مرتبہ عبدالقیوم، ص ۴۶۰۔ (۲۱) مجلہ عثمانیہ حیدرآباد، ۱۹۶۴ء، ص ۱۵۴۔ (۲۲) نصیر الدین ہاشمی، دکنی کے چند تحقیقی مضامین، ص ۱۳۲۔ (۲۳) ڈاکٹر زور، دکنی ادب کی تاریخ، ص ۶۵۔ (۲۴) پروفیسر سلیمان اطہر جاوید، تنقید شعر، ص ۱۶۳۔ (۲۵) ''قدیم اردو کی ایک نایاب بیاض''، مشمولہ رسالہ اردو کراچی اپریل ۱۹۵۴ء، ص ۲۱۔

اخبار علمیہ

''ڈیجیٹل قرآن کا تحفظ''

سنٹر آف اکسلنس انفارمیشن، کنگ سعود یونیورسٹی اور نور آئی ٹی ریسرچ سنٹر فار دی ہولی قرآن، طیبہ یونیورسٹی مدینہ کی تحقیقی ٹیم نے مشترکہ طور پر کنگ عبدالعزیز سٹی فار سائنس اینڈ ٹکنالوجی کے اس منصوبہ پر کام شروع کر دیا ہے جس کا مقصد ڈیجیٹل قرآن کے تحفظ کا عملی خاکہ تیار کرنا ہے۔ دونوں ٹیمیں مل کر ایسا طریقہ تلاش کر رہی ہیں جس کے استعمال کے بعد اسمارٹ فون اور ویب اپلیکیشن پر موجود ڈیجیٹل قرآن کے متن اور مواد میں کسی بھی قسم کے خرد برد، تحریف و ترمیم اور ردوبدل کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اس سے وابستہ بعض محققین کے مطابق اس کے لیے باقاعدہ ایک صاحب اختیار کمیٹی تشکیل دی جائے گی جو ان ایپس کی مسلسل نگرانی پر مامور ہوگی اور اس کو وہی لوگ پڑھ پائیں گے جن کے پاس کمیٹی کا عطا کردہ توثیق نامہ یا سند ہوگی۔ (ینگ مسلم ڈائجسٹ، بنگلور، فروری ۲۰۱۷ء)

''دی ڈفرنٹ آسپکٹس آف اسلامک کلچر کا اجرا''

یکم تا ۱۵/ دسمبر ۲۰۱۶ء کے ملی گزٹ میں ''تہذیب اسلامی کے مختلف تصورات'' کے موضوع پر عالمی ادارہ یونیسکو کی جانب سے چھ جلدوں پر مشتمل مقالات کے اجرا کی خبر شائع کی گئی ہے۔ رپورٹ کے مطابق پوری دنیا کے تقریباً ۱۵۰ مسلم و غیر مسلم اسکالرس کا اس میں تعاون شامل ہے۔ ان جلدوں میں دکھایا گیا ہے کہ گذشتہ صدیوں میں اسلام نے مختلف النوع تہذیبوں کے درمیان باہمی مفاہمت و رابطہ کی اعلیٰ مثال اور لائحہ عمل پیش کیا ہے۔ نیز اس سے تہذیب اسلامی کے بنیادی تصورات، عقائد، عالم اسلام میں معاشرتی اور انفرادی اقدار و روایات، تعلیم، سائنس اور دینیات میں تعاون کی بنیادوں، ادب، فلسفہ، آرٹ اور تعمیرات میں اس کی خدمات سے واقفیت اور اسلام کے سامنے چیلنجز سے مقابلہ، عالمی مذاکرہ اور غلط فہمیوں کے ازالہ کے مضبوط دلائل کا علم ہوگا۔ یہ اہم کام لیبیا کی ورلڈ اسلامک کال سوسائٹی کے مالی و انتظامی تعاون سے انجام پایا ہے۔ (تفصیل ملی گزٹ، پندرہ روزہ دہلی میں دیکھی جا سکتی ہے)

''آٹھ سو زبانوں والا علاقہ''

ایک خبر کے مطابق دنیا میں سب سے زیادہ یعنی تقریباً ۸۰۰ زبانیں نیویارک سٹی کے ایک چھوٹے سے علاقہ ''کوینز'' میں بولی جاتی ہیں۔ ربیکا سولنٹ اور جوشوا جیلی شاپیرو کی شائع کردہ ''نان اسٹاپ میٹروپولس: اے نیویارک، سٹی اٹلس'' میں منفرد انداز سے جائزہ لے کر بتایا گیا ہے کہ اس علاقہ میں بولی جانے والی زبانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ یہ اعداد و شمار امریکہ میں کام کرنے والی مختلف مقامی اور بین الاقوامی لسانی تنظیموں سے حاصل کیے گئے ہیں۔ جنہیں مختلف علاقوں کے نقشوں پر ظاہر کیا گیا ہے جن میں سب سے زیادہ ''کوینز'' کے نقشہ پر ہیں۔ کوینز میں جو زبان جتنی زیادہ بولی جاتی ہے نقشہ پر اسے اتنا ہی زیادہ بڑا اور نمایاں کر کے دکھایا گیا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ نمایاں ترین زبانوں میں انگریزی اور چینی کے ساتھ اردو بھی ہے۔ یونانی، فلپائن، انڈونیشیائی، رومی اور جاپانی جیسی پرانی زبانوں کے علاوہ یہاں ایسی زبانیں بھی بولی جاتی ہیں جن سے بہت کم لوگ واقف ہیں مثلاً چاوا کانو، وارے وارے، مینانگو باؤ اور نجاریان وغیرہ۔ ۴۶۰ مربع کلومیٹر رقبے پر مشتمل کوینز میں ۲۳ لاکھ ۴۰ ہزار افراد آباد ہیں۔ لیکن لسانیاتی تنوع کے لحاظ سے یہ دنیا کا سب سے ممتاز و منفرد خطہ ہے۔ اتنی زبانیں دنیا کے کسی ایک علاقہ میں ایک ساتھ نہیں بولی جاتیں۔ (منصف، حیدرآباد، فروری ۲۰۱۷ء)

''دنیا کی پہلی برفانی لائبریری''

روس میں دنیا کی ایک انوکھی وقتی لائبریری کا افتتاح کیا گیا ہے جو برف سے بنائی گئی ہے۔ اسے دنیا کی پہلی برفانی لائبریری قرار دیا جا رہا ہے۔ اس منفرد لائبریری کی برفیلی دیواروں پر دنیا بھر سے ہزاروں افراد کے اپنے پسندیدہ جملے اور اقوال لکھے گئے ہیں۔ انگریزی، روسی، کورین اور چینی زبانوں میں متعدد کتابوں سے لیے گئے اقتباسات بھی اس پر درج کیے گئے ہیں۔ یہ لائبریری بالکل کھلے میں بنائی گئی ہے۔ موسم گرما کے آغاز تک ہی ناظرین اس کی لذت دید سے سرشار ہو سکیں گے۔ اپریل تک اس کے مکمل پگھل جانے کی امید ظاہر کی گئی ہے۔ اس کی بے ثباتی اپنی جگہ لیکن اس کے بنانے والوں کی کاری گری اور جذبۂ تعمیر واقعی حیرت انگیز ہے۔ (بحوالہ تعمیر فکر، بنگلور، جنوری فروری ۲۰۱۷ء)

''ترکی میں نماز کی ترغیب کا انوکھا طریقہ''

مسلمانوں بالخصوص مسلم نوجوانوں اور بچوں میں نمازوں کی طرف سے بے توجہی عام بات ہے۔حالانکہ ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ ان پر پہلا فریضہ ہے۔اس فریضہ سے جوڑنے اور ترغیب دلانے کے لیے ترکی کے صوبہ سیعرت کے مقامی دارالافتاء نے انوکھا طریقہ یہ اعلان کرکے نکالا کہ جو بچہ مسلسل چالیس دن مسجد میں باجماعت نماز ادا کرے گا اس کو تحفہ میں ایک سائیکل دی جائے گی۔اس مقابلہ میں ۷ سے ۱۷ برس کی عمر کے ۱۲۰ بچوں نے حصہ لیا جن میں ۸۰ بچوں نے خود کو اس انعام کا مستحق ثابت کیا اور انہیں وعدہ کے مطابق سائیکل انعام میں دی گئی۔اور باقاعدہ تقسیم انعامات کی ایک تقریب منعقد کی گئی جس میں برسراقتدار عدالت پارٹی کے نائب صدر، مقامی علما اور صاحب اثر ونفوذ سیاسی شخصیات نے شرکت کی۔دارالافتاء کا مقصد بچوں میں مسجد کے ساتھ وابستگی کو فروغ دینا ہے تاکہ وہ فضول اور لغو باتوں سے پرہیز کی روش اختیار کریں اور صحیح اور پکے نمازی بن سکیں۔(صراط مستقیم، برمنگھم، مارچ ۲۰۱۷ء)

''آئرن کی کمی سماعت کو متاثر کرسکتی ہے''

جرنل آف امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن میں شائع ایک مقالہ میں کہا گیا ہے کہ جن افراد میں فولاد کی کمی ہوتی ہے ان کی قوت سماعت کمزور ہوسکتی ہے۔یہ انکشاف پنسلوانیا کے شہر ہارشے میں ۲۱ سے ۹۰ برس کے تین لاکھ افراد کے طبی معائنہ کے دوران ہوا۔ماہرین نے سماعت کی کمی کو تین اقسام میں بیان کیا ہے۔تحقیق میں پتہ چلا کہ جن میں آئرن ضرورت سے کم تھا ان میں دیگر صحت مند لوگوں کے بالمقابل سماعت کی بیماری کا خدشہ ۲۴ فیصد زیادہ تھا۔سائنس دانوں کا خیال ہے کہ فولاد کی کمی سے کان کے اندر خون کی باریک باریک رگیں متاثر ہوتی ہیں اور دھیرے دھیرے سننے کی قوت کم ہوتی جاتی ہے اور لوگ اونچا سننے لگتے ہیں۔اس کے علاوہ اس کمی کے سبب عصبی خلیات پر چڑھی ایک پرت بھی تباہ ہوتی جو سماعت کے عمل کو متاثر کرتی ہے۔اس لیے خون آور غذاؤں کا استعمال ڈاکٹر کے مشورہ کے مطابق بڑھا دینا مناسب ہوگا۔(رسالہ اردو سائنس، دہلی، مارچ ۲۰۱۷ء)

ک،ص اصلاحی

باب التقریظ والانتقاد

پاکستان سے چند جدید علمی مطبوعات ۔۱

(سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ سے متعلق کتب)

ڈاکٹر عارف نوشاہی

پاکستان اور ہندوستان کے درمیان کتب اور جرائد کی آزادانہ ترسیل یا تجارتی سطح پر تبادلے کا فقدان ایک طویل عرصے سے پایا جاتا ہے۔اس کے نتیجے میں دونوں ممالک کے اہل علم ایک دوسرے کی تازہ مطبوعات سے اگر بے خبر نہ سہی، بہت دیر سے باخبر ہو پاتے ہیں۔ مجھے ذاتی پر اس کا تلخ تجربہ رہا ہے۔میرے لیے ہندوستان کی جدید مطبوعات کے بارے میں معلومات کا واحد ذریعہ اب وہاں کے اہل علم احباب سے ذاتی رابطہ اور مراسلت ہے یا ماہ نامہ معارف میں چھپنے والی اس نوعیت کی اطلاعات یا کچھ کتب خانوں کی ویب سائٹیں۔فروری ۲۰۱۶ء میں جب چند روز کے لیے دہلی اور علی گڑھ جانا ہوا تو معلوم ہوا کتنی ہی مفید اور عمدہ کتابیں وہاں شایع ہو چکی ہیں جن سے میں اس روز تک بے خبر تھا۔کئی سال پہلے تک نئی دہلی سے ایک پرچہ ''اردو بک ریویو'' اعزازی طور پر مجھے ڈاک سے ملتا تھا۔اس کے ذریعے سے ہندوستان کی کچھ تازہ اردو مطبوعات کی خبر مل جاتی ہے۔لیکن اب یہ پرچہ آنا بند ہو گیا ہے اور شاید چھپنا بھی(۱)۔پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں واقع انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز (IPS) کی طرف سے ۱۹۹۶ء سے ایک شش ماہی جریدہ ''نقطۂ نظر'' ڈاکٹر سفیر اختر کی زیر ادارت باقاعدگی سے شایع ہو رہا ہے۔اس جریدے کا بنیادی مقصد اسلام، ثقافت، تاریخ اور مسلم دنیا سے متعلق مسائل پر پاکستان میں شایع ہونے والی اردو کتب پر تبصرے اور مختصر تعارف شایع کرنا ہے۔اس کے کچھ پرانے شمارے ناشر کی ویب سائٹ www.ipsurdu.com پر موجود ہیں۔ یہ اطلاع ان ہندوستانی اہل علم کے لیے مفید ہو سکتی ہے جو پاکستان کی جدید علمی مطبوعات سے آگاہ رہنا چاہتے ہیں۔

---

(۱) چھپ رہا ہے۔(معارف)

ادارۂ معارف نوشاہیہ، اسلام آباد۔

میرے حلقۂ یاران میں شامل مصنّفین اپنی تازہ مطبوعات مجھے عنایت کرتے رہتے ہیں۔ ان کی فرمائش ہوتی ہے کہ ان کتب کو کہیں متعارف بھی کروادوں۔لیکن گونا گوں مصروفیات کے باعث تعمیل کم ہی ہو پاتی ہے۔اب جب سے مدیر معارف نے مجھ سے یہ فرمایا ہے کہ میں مجلّہ کے ''باب التقریظ والانتقاد'' کے لیے کچھ خامہ فرسائی کیا کروں تو یہ موقع غنیمت جان کر اس نشست میں کچھ ایسی علمی کتب سے متعارف کرواتا ہوں جو حالیہ سالوں میں پاکستان سے شایع ہوئی ہیں اور سنجیدہ محققین کو ان سے ضرور دلچسپی ہوگی۔اس سلسلے کا پہلا مضمون پاکستان میں سلسلۂ نقشبندیہ مجدّدیہ کے مصنّفین یا ان کے بارے میں شایع ہونے والی کتابوں کے بارے میں ہے۔

سال ۲۰۱۶ء جناب محمد اقبال مجددی (دارالمورخین، لاہور) کے لیے بہت مبارک ثابت ہوا ہے۔اس سال میں ان کی کئی کتابیں یکے بعد دیگرے شایع ہوئی ہیں۔ان سب کا ذکر یہاں ہوگا۔

معارف اگست ۲۰۱۶ء میں مجدّدی صاحب کی تصانیف سے فہرست کتب ذخیرۂ پروفیسر محمد اقبال مجددی پر راقم السطور کا مقالہ شایع ہو چکا ہے۔اب اسی سلسلے کی اگلی جلد فہرست مخطوطات و مصورات (عربی، فارسی، اردو) ذخیرۂ پروفیسور محمد اقبال مجددی مخزونہ کتابخانۂ مرکزی دانشگاہ پنجاب، لاہور شایع ہوئی ہے۔یہ انگریزی زبان میں لکھی گئی ہے۔اسے خود صاحبِ ذخیرہ محمد اقبال مجددی نے دیگر معاونین کی معاونت سے تالیف کیا ہے اور پنجاب یونیورسٹی، لاہور نے ۵۷۶ صفحات میں شایع کیا ہے۔اس فہرست میں حسب ذیل مواد متعارف ہوا ہے:

۲۲۶ مخطوطات (عربی، فارسی، اردو)۔ ۴۲۵ روٹو گرافز (مخطوطات کے عکسیات)۔

۸۰ مائکروفلمز (مخطوطات کی)۔۴۸ سی ڈیز (مخطوطات کی)۔

چونکہ صاحب ذخیرہ کی بنیادی دلچسپی تصوف، پنجاب اور سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کی تاریخ اور تحریک سے ہے، اس لیے اس فہرست کا بیشتر مواد انہی موضوعات سے متعلق ہے۔حصہ عکسیات میں یورپ، سعودی عرب، ایران اور پاکستان کے کتب خانوں سے لائے گئے نادر قلمی نسخوں کے عکس شامل ہیں جنہیں جمع کرتے کرتے مجددی صاحب نے ایک عمر اور سرمایہ صرف کر دیا ہے۔مستقبل کے جو محققین تصوف اور سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ پر کام کریں گے ان کے لیے اس ذخیرہ میں موجود مطبوعات، مخطوطات اور مصورات سے استفادہ ناگزیر ہے۔یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ سلسلۂ مجددیہ پر

جتنا مواد اس ذخیرے میں جمع ہے شاید ہی دنیا کے کسی کتب خانے میں یکجا مل سکے۔

مجددی صاحب کی دوسری علمی کاوش جو اکتوبر ۲۰۱۶ء میں شایع ہوئی ہے وہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے خلیفہ شیخ آدم بنوڑی (وفات: ۱۰۵۳ھ) کی فارسی تصنیف خلاصۃ المعارف کے ایک نادر قلمی نسخے کا عکس ہے جو پروفیسر صاحب کے ذخیرے میں موجود ہے (شمارہ MS.No.40)۔ اس عکسی اشاعت پر انہوں نے خود مقدمہ لکھا ہے۔ اس کی اشاعت امام ربّانی پبلی کیشنز، لاہور کی طرف سے ہوئی ہے۔ خلاصۃ المعارف کا یہ نسخہ، مصنف کے نامور خلیفہ محمد امین بدخشی کے پاس تھا اور اس پر ان کی یادداشتیں اور مُہر کے نقوش موجود ہیں۔ خلاصۃ المعارف دو حصوں میں ہے یہ دونوں حصے دو جلدوں میں شایع ہوئے ہیں۔ دوسری جلد میں محمد امین بدخشی کے دو رسالے المفاضلہ بین الانسان والکعبہ اور کرامات آدمیہ کے خودنوشت نسخوں کے عکس بطور ضمیمہ شایع ہوئے ہیں۔ پہلے رسالے میں حضرت مجدد الف ثانی کے اس نقطۂ نظر کی تائید کی گئی ہے کہ کعبہ، انسان سے افضل ہے۔ دوسرے رسالے میں شیخ آدم بنوڑی کے خوارق بیان ہوئے ہیں۔ ان دونوں رسالوں کے قلمی نسخے بھی مجددی صاحب کے ذخیرے میں موجود ہیں۔

مخطوطات کی عکسی اشاعت کچھ فنی احتیاطوں اور آداب کی متقاضی ہوتی ہے جو مذکورہ اشاعت میں ملحوظ نہیں رکھے گئے۔ مثلاً خلاصۃ المعارف کے محتویات یا مضامین کی کوئی فہرست شروع میں نہیں لگائی گئی، بلکہ اس کتاب کے ساتھ سرے سے کوئی فہرست ہی نہیں ہے۔ قلمی نسخوں میں رکابہ کا اہتمام جفت صفحے پر کیا جاتا ہے۔ زیر نظر اشاعت میں مخطوطے کے جفت صفحے کو، جس پر رکابہ موجود ہے، طاق صفحے پر رکھ کر مخطوطے کی اصل ہیئت کو بدل دیا گیا ہے۔ اگر اسے مخطوطے کی ہیئت کے مطابق رکھا جاتا تو حوالے کے لیے مخطوطے اور عکسی اشاعت کے صفحات شمار میں یکسانیت برقرار رہتی۔

راقم السطور نے خلاصۃ المعارف کے کچھ نسخے پیر عبداللہ جان مجددی مدظلہ العالی کے کتب خانہ واقع پشاور میں دیکھے ہیں۔ ان میں سے ایک نسخہ جو ''قسم دوم'' پر مشتمل ہے، اسحاق نامی کاتب نے محمد امین بدخشی کی فرمایش پر تحریر کیا ہے۔ گویا یہ نسخہ بھی اسی عہد کا ہے جس عہد کا نسخہ مجددی صاحب نے شایع کیا ہے۔

سلسلۂ مجددیہ سے متعلق مجددی صاحب کی مرتبہ دوسری کتاب حسنات الحرمین ہے۔ یہ پہلی

بار ۱۹۸۱ء میں شایع ہوئی تھی، اب ۲۰۱۶ء میں اس کی نظر ثانی اور اضافہ شدہ اشاعت ہوئی ہے (ناشر: تنظیم الاسلام پبلی کیشنز، گوجرانوالا)۔حسنات الحرمین، خواجہ محمد معصوم بن شیخ احمد سرہندی کے سفر حرمین شریفین کے ملفوظات و مکاشفات کا مجموعہ ہے جسے ان کے فرزند مروج الشریعت محمد عبیداللہ نے عربی میں جمع کیا اور بعد میں محمد شاکر بن ملا بدرالدین سرہندی (صاحب حضرات القدس) نے فارسی میں منتقل کیا۔ زیر بحث اشاعت میں فارسی متن کے ساتھ، محمد اقبال مجددی صاحب کا اردو ترجمہ اور مفصل مقدمہ بھی ہے، اتنا مفصل کہ متن پر حاوی ہو گیا ہے۔ متن تو ۶۵ صفحات کا ہے اور مقدمہ ۲۷۳ صفحات کا، جس میں کم و بیش وہی مباحث ہیں جو وہ اس سے پہلے مقامات معصومی کے مقدمے میں وہ پیش کر چکے ہیں اور احقر کا اس پر تبصرہ سہ ماہی فکر و نظر، اسلام آباد، ج ۴۳، ش ۲، رمضان۔ ذی قعدہ ۱۴۲۶ھ/ اکتوبر۔ دسمبر ۲۰۰۵ء، ص ۹۹۔ ۱۳۰ میں شایع ہو چکا ہے۔ یہاں حسنات الحرمین کے دوسرے ایڈیشن پر کسی مفصل تبصرے کی فرصت تو نہیں ہے۔ لیکن چند باتوں کی طرف اشارہ ضروری ہے۔

ص ۱۱۴ اور ۳۹۰ پر حسنات الحرمین کی انڈیا آفس نسخہ کا سال کتابت ۱۰۷۲ھ لکھا گیا ہے، حالانکہ یہ ۱۰۷۵ھ ہے۔

ص ۶۱ پر معراج المومنین نامی کتاب کو بدرالدین سرہندی کی تصنیف اور ص ۶۳ پر اسے ان کے بیٹے محمد شاکر کی تصنیف بتایا گیا ہے۔ درست بات یہ ہے کہ محمد شاکر کی تصنیف کا نام دستور المومنین ہے۔ راقم نے اس کا قلمی نسخہ خلیل الرحمان داودی مرحوم کے ہاں دیکھا تھا اور اس کا ذکر اپنی کتاب سیہ بر سفید، ص ۸۴ میں کیا ہے۔

حسنات الحرمین کے فارسی متن کی خواندگی اور اردو ترجمہ میں بھی کچھ تسامحات ہیں۔ جیسے:

ص ۳۴۱ پر فارسی عبارت ''و یافتہ می شد کہ آنحضرت از کمال اہتمام و کثرت اعتنا کہ بہ شان من داشتند بیرون سرادقات احتجاب خود بر آمدہ ایستادہ شدند۔'' کا اردو ترجمہ (ص ۲۸۶) قلم انداز ہو گیا ہے۔

ص ۳۴۲ پر فارسی عبارت ''اثر استشفاع کمتر محسوس شدہ'' کا ترجمہ: ''اس پر اس کا بہت کم اثر ہوا'' کیا ہے (ص ۲۸۷) جب کہ ایسا ہونا چاہیے تھا: اس پر شفاعت کا اثر بہت کم ہوا۔

ص ۳۶۰ پر فارسی عبارت ''و چون اثر شفاعت زود تر بہ ظہور پیوست (یہاں نپیوست ہونا چاہیے) و در آن سری خواہد بود، توسل بہ صدیقہ حبیبہ جستند''۔ کا اردو ترجمہ یوں کیا ہے: ''جب

شفاعت کا اثر بہت جلد ظاہر ہوگیا (کذا: ظاہر نہ ہوا) تو یہ راز معلوم ہوا کہ وہ توسل بہ عجلت تمام خود حضرت صدیقہ حبیبہ نے اپنی طرف منتقل کرلیا تھا''۔ (ص ۳۰۰) یہ بالکل غیر محققانہ ترجمہ ہے۔ اول تو مترجم اور مرتب نے ظہور نپیوست کو ظہور پیوست پڑھ کر اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے، اور یہی اس جملے کا مرکزی نکتہ ہے۔ ترجمہ یوں ہونا چاہیے: جب شفاعت کا اثر جلدی ظاہر نہ ہوا تو اس میں کوئی راز ہوگا۔ چنانچہ اب آپ نے صدیقہ حبیبہ سے توسل کیا۔

ص ۳۶۴ پر فارسی عبارتوں ''آنحضرت ایشان را بہ خودمی کشند'' اور ''مرا بہ خودمی کشیدند'' کا ترجمہ ''خود توجہ فرما رہی ہیں'' اور ''خود ہی متوجہ کرتی رہیں'' کیا ہے (ص ۳۰۳، ۳۰۴)۔ اگر اس کا ترجمہ ''اپنی جانب کھینچ رہی تھیں'' ہوتا تو جملے میں جو تاکید ہے وہ زیادہ واضح ہوتی۔

ص ۳۶۴ پر فارسی متن میں ایک لفظ ''حمراء'' آیا ہے۔ ''نسبت صدیقہ حبیبہ را بہ حمراء متمثل می دیدیم'' اس کا ترجمہ ''نسبت صدیقہ حبیبہ حجرہ کی صورت میں نظر آئی''۔ (ص ۳۰۴)۔ حمراء، حمر (سرخ رنگ) کی مونث ہے۔ معلوم نہیں اس کا ترجمہ حجرہ کیسے ہوا ہے؟

ص ۳۷۱ پر فارسی عبارت ''اشفاق صدیقہ حبیبہ کہ مخصوص ہیچ وقت نیست بلکہ پیوستہ می یابم'' کا ترجمہ یوں ہوا ہے: ''۔۔۔ بلکہ میں نے خود کو ان کے ساتھ منسلک پایا'' (ص ۳۰۹) یہ بالکل مختلف ترجمہ ہوا ہے۔ جب کہ مصنف کا منشا یہ ہے کہ صدیقہ حبیبہ کی شفقت کا میرے لیے کوئی مخصوص وقت نہیں ہے بلکہ یہ ہمیشہ ملتی ہے۔

ص ۳۷۵ پر ایک فارسی عبارت ''حضور ما غالباً در خدمت گرامی ایشان برای طمع عطیہ است واخذ موہبت''، اردو حصے میں اس کا ترجمہ قلم زد ہوگیا ہے۔

ص ۳۷۷ پر خواجہ محمد معصوم کی ایک عادت کو استمرار کے صیغے میں بیان کیا گیا ہے ''ہموارہ ۔۔۔ رفتہ ۔۔۔ حلقۂ ذکر ۔۔۔ می نمودند'' لیکن مترجم نے اسے محض ایک روز کے واقعہ کو طور پر بیان کیا ہے۔ (ص ۳۱۴)

حصۂ ترجمہ میں ایک عبارت ہے ''یہ حضرت خواجہ کی کرامت بھی ہے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بھی'' (ص ۳۱۸) لیکن فارسی حصے (متن) میں ایسی کوئی عبارت درج نہیں ہوئی جس کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔

ص ۳۹۰ پر ایک فارسی عبارت ناقص درج ہوئی ہے اور اس کا ترجمہ بھی ناقص ہوا ہے۔ مندرج عبارت میری طرف سے بریکٹ کے اندر تصحیح اور تکمیل کے بعد اس طرح ہے: ''حقیقت آنکہ (کذا: یکی) از آنہا خوب بہ وضوح نہ پیوست کہ چہ آوردہ (بود، و دیگری آن خوان را آوردہ) پیش ما نہادہ''۔ مترجم نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے: ''یہ حقیقت ہے کہ یہ واضح نہ ہوسکا کہ وہ کیا لائے اور میرے سامنے رکھ دیا''۔ اصل کے مطابق ترجمہ یوں ہونا چاہیے تھا: ان دو اشخاص میں ایک کی حقیقت اچھی طرح واضح نہ ہوسکی کہ وہ کیا لایا ہے، لیکن دوسرے شخص نے وہ خوان لاکر میرے آگے رکھ دیا۔

فارسی متن میں تقابل عام (ص ۳۳۳) قتل عام؛ صداد (ص ۳۸۲) صدد؛ چور آن را (ص ۳۸۹) چون آن را ہونا چاہیے تھا۔ کتاب کی پروف خوانی توجہ سے نہیں کی گئی اور اس میں کتابت کی بے شمار اغلاط موجود ہیں جن سے یہاں تعرض نہیں کیا گیا۔

مجددی صاحب کی مرتّبہ ملفوظاتِ چہل روزہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی، جامع خواجہ غلام محی الدین قصوری بھی اسی سال شایع ہوئی ہے (ناشر: تنظیم الاسلام پبلی کیشنز، گوجرانوالا)۔ اس کی پہلی اشاعت ۱۹۷۸ء میں ہوئی تھی۔ یہ ملفوظات فارسی میں ہیں اور ان کے ساتھ مجددی صاحب کا اردو ترجمہ اور ایک مفصل مقدمہ موجود ہے۔ مقدمہ میں صاحبِ ملفوظات اور جامع ملفوظات کے حالات شرح و بسط کے ساتھ دیے گئے ہیں۔ اشاعت دوم کی خوبی یہ ہے کہ اس میں ضمیمہ کے طور پر شاہ غلام علی دہلوی (وفات: ۱۲۴۰ھ) کے ایک اور نودریافت مجموعۂ ملفوظات (ملفوظات ہفت روزہ) کا متن بھی شامل کیا گیا ہے۔ یہ مجموعۂ ملفوظات شاہ رؤف احمد رافت رامپوری (وفات: ۱۲۴۹ھ) کا جمع کردہ ہے جو اس سے قبل دُرّ المعارف مرتب کر چکے تھے۔ یہ مجموعۂ ملفوظات ہفت روزہ راقم السطور نے ۲۰۰۲ء میں دریافت کیا تھا۔ اس پر میرا تعارفی مقالہ اور عکسِ متن میرے اردو مقالات کے مجموعے نقد عمر میں چھپ چکا ہے۔ اس کا خطی نسخہ بھی میرے پاس ہے۔ اسی نسخے کی بنیاد پر اس کا فارسی متن محبی معین نظامی صاحب نے تیار کر کے، پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے ایک رسالے سفینہ، شمارہ ۳ میں شایع کیا۔ میرا تعارفی مقالہ اور معین نظامی صاحب کا مرتبہ متن، مجددی صاحب کی مرتبہ اس کتاب میں شامل ہیں۔

پروفیسر مجددی نے اب تک مختلف دائرۃ المعارفوں اور رسالوں کے لیے رجال پر جو اردو مقالات لکھے ہیں، ان کا مجموعہ تذکرۂ علماء و مشایخ پاکستان و ہند نام سے پروگریسو بُکس، لاہور نے

۲۰۱۳ء میں دو ضخیم جلدوں (کل ۱۲۵۶ صفحات) میں شایع کیا ہے۔اس میں سلاسل طریقت کے اعتبار سے مقالات کی ترتیب رکھی گئی ہے۔پہلی جلد میں سلسلۂ چشتیہ، قادریہ، شطاریہ وسہروردیہ اور دوسری جلد میں مشایخ نقشبندیہ اور بعض علاقائی علما وصوفیہ پر مقالات ہیں۔یہ تقریباً ۲۱۰ شخصیات ہیں۔مصنف نے بتایا ہے کہ ان کا پہلا مقالہ ماہ نامہ معارف، نومبر ۱۹۶۷ء میں شایع ہوا تھا جب وہ دسویں جماعت کے طالب علم تھے۔

سلسلۂ نقشبندیہ سے متعلق ایک اہم فارسی ماخذ، حضرات القدس، جلد اول، مولفہ بدرالدین سرہندی، بہ تدوین، تحشیہ ومقدمہ انجم رحمانی، جنوری ۲۰۱۶ء میں ۶۷۲ صفحات میں شایع ہوا ہے (ناشر: صوفی سالک بک ہوم، لاہور)۔حضرات القدس کی یہ جلد نقشبندیہ مشایخ کے شجرے کے مطابق، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حالات سے شروع ہوتی ہے اور نزولی ترتیب کے مطابق خواجہ محمد باقی (خواجہ باقی باللہ مدفون دہلی) اوران کے چند مریدوں کے حالات پر ختم ہوتی ہے۔حضرات القدس کی دوسری جلد، جو حضرت مجدد الف ثانی اوران کے خلفا اور مریدوں کا تذکرہ ہے، بہت پہلے مولانا محبوب الٰہی نے مرتب کی تھی اور یہ ۱۹۷۱ء میں محکمۂ اوقاف پنجاب، لاہور نے شایع کی تھی۔اب اس کتاب کے پورے متن کی اشاعت مکمل ہوگئی ہے۔ڈاکٹر انجم رحمانی نے جلد اول میں فارسی متن کے ساتھ اردو اور فارسی میں مبسوط مقدمہ، تعلیقات وحواشی اور طرح طرح کے اشاریے لگائے ہیں۔کتاب کا متن لاہور عجائب گھر کے مخطوطہ L.M.S.425 کی بنیاد پر ہے۔کتاب کے شروع میں خواجگان کے مزارات کی تصاویر میں جسے خواجہ محمد پارسا کا مزار بتایا گیا ہے وہ دراصل خواجہ محمد پارسا کے بیٹے خواجہ ابونصر پارسا کا مزار (بلخ) ہے۔خواجہ محمد پارسا جنت البقیع میں دفن ہیں اور اب ان کی قبر کا نشان مٹ چکا ہے۔

الندوہ (جلد اول ودوم)

مرتبین: علامہ شبلی نعمانی ومولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

حصۂ اول جولائی تا دسمبر ۱۹۰۴ء اور حصۂ دوم جنوری تا دسمبر ۱۹۰۵ء پر مشتمل ہیں۔

صفحات بالترتیب: ۲۳۶، ۲۷۶ قیمت بالترتیب: ۳۷۵ و ۶۰۰ روپے

آثار علمیہ و تاریخیہ

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کے چند نادر عربی اشعار

مولانا طلحہ نعمت ندوی

ہفتہ وار الپنچ بانکی پور (عظیم آباد) انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں اردو کی ظریفانہ صحافت کا ایک اہم حصہ اور پنچ اخبارات کے سلسلہ کی ایک ایک اہم کڑی اور عظیم آباد کی منظم و باضابطہ صحافت کا اولین نقش تھا، جس کی اشاعت و اہتمام میں عظیم آباد کے ممتاز اہل علم شریک تھے، اس کے مدیر مولانا سید سلیمان ندویؒ کے ایک عزیز اور خاندانی بزرگ مولانا سید رحیم الدین استھانویؒ (م ۰۲-۱۳۱۲ھ/۱۹۰۲ء) تھے، الپنچ اور شاد عظیم آبادی کا مشہور ادبی معرکہ بھی ادبی تاریخ کے صفحات کا ایک اہم حصہ ہے، یہ اخبار ندوۃ العلماء کے دور آغاز سے ۱۹۰۶ء تک ندوہ کے اغراض و مقاصد کی ترویج و اشاعت اور اس تحریک کی حمایت میں پیش پیش اور پوری طرح سرگرم رہا۔ اگر الپنچ اور ندوۃ العلماء کے موضوع پر کام کیا جائے تو ایک گراں قدر علمی مقالہ تیار ہوسکتا ہے، جس سے ندوۃ العلماء کی تحریک کے بہت سے مخفی گوشے بھی اہل علم کے سامنے آسکتے ہیں۔ اسی اخبار کے ۶؍ستمبر ۱۹۰۲ء کے شمارہ میں ''دارالعلوم کا معائنہ'' کے عنوان سے ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے جس میں حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے فرزند مولانا احمد میاں کی ۱۸؍جمادی الاولیٰ ۱۳۰۲ھ کو دارالعلوم حاضری اور معائنہ اور وہاں ان کے استقبال کا ذکر ہے۔ اسی موقع پر سید صاحب نے ان کے استقبال میں یہ اشعار کہے تھے، جب کہ ان کا ندوہ میں تعلیم کا دوسرا ہی سال تھا، ان اشعار کا کہیں ذکر نہیں ملتا، اس لیے جب یہ چار اشعار نظر سے گذرے تو خیال آیا کہ ناظرین معارف کی خدمت میں یہ نادر علمی و ادبی تحفہ پیش کیا جائے، افسوس اس کا ہے کہ صرف چار اشعار ہی درج کیے گئے، بہرحال ان سے اندازہ ہوگا کہ ابتدا ہی سے سید صاحب کے اندر کیا جوہر تھا۔ ذیل کے عنوان کے ساتھ یہ اشعار اس اخبار میں جس طرح درج ہیں اسی طرح ناظرین معارف کی خدمت میں حاضر ہیں:

''اشعار منظومہ سید سلیمان بہاری طالب علم دارالعلوم ندوۃ العلماء''

لكم بشرىٰ و جاءكم السرور — وقد طلعت بارضكم البدور
نسيم الصبح إذ هبت فقالت — أتى ذو الفضل و المجد الوقور
كريم بن الكريم فحاز فضلاً — وشرفه به الرب الغفور
أتىٰ من وجهه شمس المعالي — فضاءت من لوامعه القصور

استھانواں بہار شریف۔

معارف کی ڈاک

پھر نوائط

۲۶/ ۳/ ۲۰۱۷ء
بنگلور

محترمی جناب مدیر صاحب ''معارف'' السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

راقم الحروف (راہی فدائی) کا ایک مضمون بعنوان ''جنوبی ہند کے ایک گمنام مصلح وداعی حضرت علامہ محمد فخر الدین مہکری نائطی بے خود ویلوری'' معارف اکتوبر ۲۰۱۵ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا، جس پر محترم المقام ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی صاحب (ریاض، سعودی عرب) کا ایک مراسلہ معارف ماہ نومبر میں شائع ہوا۔ اس کا جواب احقر کی طرف سے معارف ماہ دسمبر کے توسط سے دیا گیا، تقریباً ایک سال کی طویل خاموشی کے بعد ڈاکٹر محمد اجمل نے ایک مفصل و محقق مضمون تحریر فرمایا جو دسمبر ۲۰۱۶ء اور جنوری ۲۰۱۷ء میں معارف کی زینت بنا۔ خدا کا شکر ہے کہ ڈاکٹر موصوف کے قلم سے بہترین، عمدہ اور پُراز معلومات مضمون ظہور پذیر ہوا، جس سے استفادہ کی سعادت اس ہیچ مداں کو حاصل ہوئی۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔

راقم کا اصل موضوع ''حضرت علامہ محمد فخر الدین مہکری نائطی'' (متوفی ۱۱۴۳ھ مطابق ۱۷۳۰ء) کے حالات و کمالات کا تعارف تھا، چونکہ آپ کے اسم گرامی کے آخر میں ''نائطی'' کا لاحقہ تھا اس لیے ضمنی طور پر نائط کی تحقیق پیش کی گئی اور مقالے میں اس موضوع پر مشہور و متداول کتاب ''تاریخ النوائط'' مولفہ نواب عزیز جنگ ولاؔ حیدر آبادی (مطبوعہ ۱۳۲۲ھ) کے حوالے دیے گئے جس پر ڈاکٹر موصوف کو اشکال و اعتراض ہوا اور انہوں نے پوری تحقیق و تدقیق کے بعد اپنا موقر مقالہ سپرد قرطاس کیا۔ ڈاکٹر صاحب کی اس سعی مشکور سے ''نائط'' یا ''نائت'' کے ماخذ کے اختلافی امور و متعدد جہات کے متعلق اہل علم کو واقفیت حاصل ہوئی۔ ڈاکٹر موصوف نے اپنی تحریر کی ابتدا میں یہ برملا اعتراف فرمایا کہ انہیں اس بات کا علم تھا کہ قوم نوائط کا سلسلہ نسب قریش سے ملتا ہے (معارف دسمبر ۲۰۱۶ء، ص ۴۴۰)، ساتھ ہی مضمون کے آخر میں بھی انہوں نے اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے لکھا کہ:

> ''آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ اس مضمون کا مقصد قریش یا اہل بیت سے قوم نوائط کے نسبی رشتے کا انکار نہیں ہے۔ اس کا موضوع نائطہ بن نضر اور عبداللہ الوائط کی شخصیتوں اور تاریخ طبری اور صحاح جوہری کے حوالوں کی تحقیق ہے، ضمناً سیوطی کی جانب منسوب ایک کتاب ''کشف الانساب'' کا قضیہ بھی آ گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ تاریخ طبری کے علاوہ سارے ہی موضوعات ڈاکٹر راہی فدائی صاحب کے جوابی مراسلے کے طفیل زیر بحث آ گئے

ہیں"۔(معارف، جنوری ۲۰۱۷ء، ص ۴۸)

تحقیق ایک عمل تسلسل ہے جس کی انتہا حتمی نہیں ہے، تحقیق کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں، جب صدیوں کے بعد علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی کتابوں کے ایک ہزار دوسو (۱۲۰۰) عناوین دستیاب ہوسکے ہیں تو ایک ہزار دوسو ایک (۱۲۰۱) کا پایا جانا محال نہیں ہے۔ علاوہ ازیں قوم نوائط کے ہاشمی ہونے کا ذکر صدیوں سے چلا آرہا ہے۔ چنانچہ آرکاٹ کے مشہور حکمران نواب سعادت اللہ خاں بہادر (متوفی ۱۱۴۵ھ مطابق ۱۷۳۲ء) کے برادر بزرگ نواب غلام علی خاں (ولادت ۱۰۵۱ھ، وفات ۱۱۲۸ھ) نے اپنی طویل مثنوی "لمعات الطاہرین" میں ایک مقام پر لفظ "نائطہ" کے معنی "آقا" بتلاتے ہوئے رقم کیا ہے ؎

یقیں زاں ملقب دہد فائدہ به کوکن بدہ لفظ خوش نائطہ
بمعنیٔ آقا زباں زد بدہ بہ تعظیم ایں قوم جاری شدہ
کہ ایں ہاشمی اند بس ذو الکریم عطا کرد ایزد ز خلق عمیم

(افضل العلماء محمد یوسف کوکن "Arabic and Persian in Carnatac" مطبوعہ ۱۹۷۴ء، مدراس، ص ۳۴)

اس کے علاوہ جنوب کی مستند تاریخ "توزک والا جاہی" مولفہ منشی برہان خاں ہانڈی ابن سید حسن (متوفی ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۴ء) میں مرقوم ہے:

"لفظ نوایط صیغہ جمع و مفردش نائط وقومے است از عرب مختلف الشرح کہ بہ تحقیق مصنف تاریخ طبری بنی قریش، و بہ تشریح مولف تاریخ یمنی از قوم ملاحین و بہ توضیح جامع اللباب شرفائے کوفہ اند وعلی ای حال از تظلم حجاج بن یوسف جلاوطن واز دریا واصل ساحل ہندو برزمین مرہٹ مقیم بندر کوکن شدند ودر اوقات سلاطین اربعہ بوکن امتیاز یافتند"۔(منشی برہان خاں ہانڈی، تزک والا جاہی، مطبوعہ گورنمنٹ پریس، مدراس، ۱۹۵۷ء، ص ۷۲-۷۳)

مزید براں "خانوادۂ قاضی بدرالدولہ" کے مصنف مولانا یوسف کوکن عمری نے تحریر کیا ہے کہ امام العلماء قاضی بدرالدولہ (نائطی متوفی ۱۲۸۰ھ) اپنے خاندان کو ہاشمی کہتے تھے۔(ص ۲۴)

آخر میں راقم یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ راقم نے نواب حیدر علی بہادر اور حضرت سلطان ٹیپو کے گورنر (آصف) محترم محمد علی مہکری خانہ زاد کے دیوان قصائد بنام "گنج شائگاں" کے مخطوطے کو اپنے طویل مقدمے کے ساتھ شائع کروایا جس میں مہکری خاندان کے قدیم شجروں کے ذریعہ ثابت کیا کہ قوم نوائط کی ایک شاخ مہکری کا نسبی تعلق حضرت جعفر صادقؒ سے ہے۔ بہر حال تحقیق کے اس خارزار میں اہل قلم کے دامن مراد کے الجھنے کی بلکہ تن بدن کے زخمی ہونے کی بھی نوبت آتی ہے۔ اس سے خوف زدہ ہونے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ پھر ایک بار راقم ڈاکٹر اجمل صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ متاع صبر وسکون کے ساتھ دولت عزم واستقلال سے بھی مالا مال فرمائے۔ آمین!

ڈاکٹر راہی فدائی

وفیات

سید شہاب الدین مرحوم (۱۹۳۵ء-۲۰۱۷ء)

آہ سید شہاب الدین صاحب بھی ایسے وقت میں اس دنیا سے رخصت ہوئے جب ہندوستان کے مسلمانوں کو سیاسی قیادت اور رہنمائی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ ۴؍مارچ ۲۰۱۷ء کو وہ قریب ۸۱ سال کی عمر گزار کر اپنے رب سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

گزشتہ صدی میں صوبہ بہار نے مسلمانان ہندوستان کو ایسے کئی رہنما دیے جن کی قابلیت، تدبر بے خوفی اور قومی بہی خواہی کا اقرار عام طور سے کیا گیا، مرحوم کا شمار بھی ان ہی چند افراد میں کیا جائے گا۔ یہ کہنا کہ وہ ایک فطری رہنما تھے، شاید غلط نہ ہو، سائنس اور قانون کی اعلیٰ تعلیم اور بعد میں آئی ایف ایس میں شامل ہونے کی وجہ سے بیرون ممالک، حکومت ہند کی سفارت کے فرائض انجام دینے کے باوجود، ان کا دل ملک وقوم کے لیے دھڑکتا رہا۔ اسی لیے وہ عملی سیاست میں آئے، ملک کے ایوان بالا وزیریں دونوں کے رکن ہوئے۔ ایک سیکولر پارٹی میں شامل ہوکر ملک کی سب سے بڑی اقلیت کے لیے خود کو اس طرح وقف کیا کہ مسلمانوں کے تمام ممتاز اداروں میں ان کی فکر، دانائی اور سیاسی سوجھ بوجھ کے اثرات نمایاں ہوئے۔ ڈاکٹر فریدی کی طرح انہوں نے بے غرض خدمت قومی کو اپنا شعار بنایا، صداقت اور شرافت کی خوبی جو کبھی مسلم قائدین کے کردار کے خمیر کی حیثیت رکھتی تھی۔ ان کی بھی شناخت بنی۔ لیکن آزادی کے بعد مسلمانوں کی سیاسی فہم جس بے حسی یا بے سمتی کا نمونہ بنی اور جس نے مسلم سیاست کو ایک المیہ بنا دیا۔ مرحوم کو بھی اس آگ کے دریا سے گزرنا پڑا۔ ہماری نظر میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ ان کے انگریزی رسالہ ''مسلم انڈیا'' کی اشاعت ہے۔ ہر شمارہ میں ہندوستانی مسلمانوں کے تعلق سے ہر چھوٹے بڑے مسئلہ کو انہوں نے اس رسالہ کے ذریعہ خاص وعام تک پہنچانے کی کوشش کی۔ اس عاشقی میں عزت سادات گئی یا رہی، یہ وقت کی گواہی پر موقوف ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ ڈاکٹر فریدی کے روزنامہ ''قائد'' کی طرح اس رسالہ نے گو ان کے ضمیر کو تسکین دی ہوگی لیکن ان کی روح کو زخم بھی گہرے دیے۔ ایسا قیمتی رسالہ قوم کی بے حسی کی نذر ہو گیا۔ ایک دور وہ تھا کہ جب وہ دارالمصنّفین تشریف لائے تو ان کے رفیق سبرامنیم سوامی تھے۔ ملکی وقومی اتحاد اور باہمی آشتی ومفاہمت کے لیے ایک برج میں ان دو سیاروں کے قران کا منظر بھی عجیب تھا۔ بعد کا منظر اس سے بھی زیادہ عجیب رہا۔ معارف کے وہ قدرداں تھے، ان کے کئی خطوط معارف میں چھپے، خصوصاً بابری مسجد کے قضیہ کے دور میں ان کے خطوط ان کے کرب کی زبان بن گئے۔ شاہ بانو معاملہ میں بھی یہی حال تھا۔ غرض دل کیا تھا پارہ سیماب تھا۔ آخر بے قراری کو قرار آہی گیا۔ اب وہ اپنے رب کے حضور میں ہیں، کاش ان کے لیے دعائے مغفرت کے ساتھ، ملت کو ان کی جدوجہد بلکہ تڑپ پر ایک بار پھر نظر کرنے کی توفیق ملے۔ زندگی میں نہ سہی، موت کے بعد ہی قدر کرنے سے شاید کچھ تلافی ہو جائے۔ ع-ص

ادبیات

نعت

ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

بجا ہے گروہیں سے رحمتوں کا قافلہ گزرے
جہاں سے سرورِ کونینؐ کے اہلِ وفا گزرے

جہاں جبریل کے پر بھی رہے پرواز سے قاصر
وہاں سے بھی شبِ اِسرا ، امامِؐ انبیاءؑ گزرے

شبِ اِسرا کا منظر جب بھی آیا ہے تصور میں
زمیں سے عرش تک نظروں سے انؐ کے نقشِ پا گزرے

منور ہوں یہ آنکھیں کاش سیر کوے آقاؐ سے
فرازِ آسماں سے ہم اگر گزرے تو کیا گزرے

عداوت ہے جنہیں آقاؐ سے اور انؐ کے غلاموں سے
خدا ان سبھی پر بو لہب سا ماجرا گزرے

میں اپنی زندگی میں کس طرح سمجھوں انہیں شامل
نبیؐ کے آستاں سے دور جو صبح و مسا گزرے

وہی لمحے حقیقت میں متاعِ زندگانی ہیں
جو زیرِ اتباعِ سنتِ خیر الوریٰ گزرے

ہمیں تو سرورِ دیںؐ کی اطاعت کرتے رہنا ہے
غرض ہم کو نہیں اس سے ، عدو کے دل پہ کیا گزرے

مری جانب سے بھی پڑھنا درود ، آقاؐ کے روضے پر
مدینے کی طرف سے جب بھی اے بادِ صبا گزرے

کبھی تیری ثنا لکھے ، کبھی نعتِ شہِ بطحا
رئیسؔ بے نوا کی عمر ، یوں ہی اے خدا گزرے

گوشہ مطالعات فارسی، پوسٹ بکس نمبر ۱۱۴،علی گڑھ۔

غزل

جناب جمیل مانویؔ

دیے بھی جلتے ہیں ، روشن بھی ہے حیات مری
پسِ غبارِ نظر ، گم ہے کائنات مری

نہ وقت ہے ، نہ زمانہ ، نہ کائنات مری
تجھے ثبات ہے ہستی ہے بے ثبات مری

تھا وہ بھی اصل میں تیری صفات کا پرتو
سمجھ رہا تھا زمانہ جسے صفات مری

ہر ایک اپنے پرانے کا دکھ مرا دکھ ہے
یہ وارداتِ زمانہ مرے ، جہات مری

ابھی تلک تو نشانے پہ تھی مری تہذیب
سنا ہے اب کے نشانہ بنے گی ذات مری

ترے سلیقہ سے پہچانتی تجھے دنیا
مگر سنی نہ توجہ سے تونے بات مری

سلیقہ جینے کا آیا تو یہ ہوا معلوم
نہ زندگی ہے نہ دنیائے بے ثبات مری

ہیں جس چراغ سے روشن سیاہ رات کے داغ
اسی چراغ سے روشن ہے کائنات مری

کسی کے حسنِ تکلم کا فیض ہے یہ جمیلؔ
کہ ہے زمانے کے ہونٹوں پہ آج بات مری

سہارن پور۔

مطبوعات جدیدہ

اردو کی تحریکی شاعری، جنگ آزادی سے حصول آزادی تک: از ڈاکٹر مظفر مہدی،

متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۵۱۲، قیمت ۲۹۳ روپے، پتہ: تاج بک ڈپو، رانچی، جھارکھنڈ بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ بہار اور دربھنگہ اور دہلی کے مکتبے۔

۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے سامراجی تسلط کے خلاف ملک گیر مہم اور معرکہ کرب و بلا کی خدا جانے کتنی داستانیں، تاریخ کے حوالہ سے دستاویزوں میں محفوظ بھی ہوئیں اور مدفون بھی۔ اردو شاعری کا امتیاز یہ ہے کہ اس نے استعمار کے مظالم کے خلاف ہر آواز کا تحفظ کیا اور ان کو زندہ بھی رکھا۔ وقتاً فوقتاً کتابوں اور مضامین کے ذریعہ اردو کے اس کارنامہ کو بیان بھی کیا جاتا رہا، لیکن زیر نظر کتاب کے ذریعہ اگر یہ کہا جائے کہ پہلی بار ایک مفصل، مربوط، مدلل اور مستند کوشش سامنے آئی ہے تو یہ مبالغہ نہیں ہوگا، قریب سو سال میں اردو شاعری اپنے تمام اصناف کے ساتھ نغمات آزادی کے آہنگ کو جس طرح بلند کرتی اور تحریک کی شکل اختیار کرتی رہی، اس کا اندازہ اس کتاب کے دس ابواب ہی سے ظاہر ہے۔ ۱۸۵۷ء کے تاریخی پس منظر میں مذہبی اور سماجی بے چینی، پھر تحریکوں میں ان کے منتقل ہونے اور ہر تحریک کی ساخت و شناخت تک رسائی، پھر سیاسی تحریکوں کے ظہور و وجود کی نشان دہی کی محنت کیا کم تھی کہ فاضل مصنف نے اردو شاعری کی تلاش میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی اصلاحی تحریکوں کے اندرون کی جستجو اور تلاش کی بھی سعی کر ڈالی۔ اردو شاعری پر تحریکوں کے اثرات اور کہیں بذات خود اردو کی تحریکی شاعری کا تجزیہ اور کہیں تحریک کے خاکستر سے اٹھنے والی اور تعمیر کا عزم و پیغام رکھنے والی شاعری کا تنقیدی مطالعہ، ان سب نے اس کتاب کو واقعی امتیازی شان عطا کردی۔ ہر باب معلومات کا عمدہ ذریعہ بن گیا، سماجی و مذہبی و اصلاحی تحریکوں میں برہموسماج سے رومانی تحریک تک اور اصلاحی لحاظ سے تحریک مجاہدین سے خلافت تک، حقیقت نگاری، صداقت شعاری اور اس سے بھی زیادہ غیر جذباتی، مطالعہ و تجزیہ، داد کے لائق ہے، فاضل مصنف نے سید احمد شہید کی تحریک کو سب سے اہم اور جاندار اور شاہ ولی اللہ کی تحریک کا تتمہ بتایا۔ تحریک مجاہدین تو خیر سب کے لیے معروف ہے، فرائضی اور تیتو میر تحریکیں اہم ہونے کے باوجود اتنی اہمیت نہیں حاصل کرسکیں شاید یہ ان کے بنگال میں محدود رہنے کا اثر ہو لیکن مسلمانوں میں ملی جذبہ اور خود اعتمادی پیدا کرنے میں ان کی کوششیں، بہرحال یاد کرنے کے

لائق ہیں، باقی دیوبند، علی گڑھ، ندوہ کی تحریکیں جن میں تعلیم کا عنصر غالب رہا یا تحریک جمعیۃ المومنین اور جمعیۃ العلماء جن میں سماجی اور سیاسی رنگ گہرا رہا۔ ان سب کا تجزیہ دیانت داری کی خوبی کے ساتھ کیا گیا اور پھر اس عہد کی اردو شاعری ان سے جس طرح متاثر ہوئی اس کو تاریخی اعتبار سے بڑے دلکش اور شاید منفرد انداز میں پیش کیا گیا، محمد حسین آزاد سے حفیظ میرٹھی اور چکبست سے فراق گورکھپوری قریب ۴۵ شعراء کا تفصیل سے جائزہ ہے۔ ان کے علاوہ بھی دیگر شعراء کا کلام بڑی جستجو سے حاصل کیا گیا مثلاً تحریک مجاہدین کے زیر اثر تحریکی شاعری میں مولانا اسماعیل شہید، مولانا خرم علی بلہوری، قاضی علاء الدین بگھرولی، مولانا ولایت علی اور فورٹ ولیم کالج سے وابستہ بینی نرائن کے اشعار بھی ہیں۔ بینی نرائن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کر کے حضرت سید احمد شہید سے بیعت بھی کر لی تھی، تحریک مجاہدین سے مومن کا تعلق تو معروف ہی ہے۔ غالب پر بھی اس کے اثرات کی نشان دہی کی گئی ہے۔ غرض یہ باب خاص طور سے بہت معلومات افزا ہے، مصنف کا یہ خیال درست ہے کہ انہوں نے اس موضوع کے تقریباً تمام قابل ذکر گوشوں پر نظر کی ہے، حرکت میں جمود نہیں، اس لیے مصنف کو یقین ہے کہ تحریکی شاعری کا سفر بھی جاری رہے گا، سمتیں متوازی بھی ہو سکتی ہیں اور مخالف بھی، روحانی، مادی اور دونوں کے امتزاج سے تیسری سمت، ان تینوں کے برسر عمل ہونے سے ممکن ہے نظم کی اور بھی اصناف وجود میں آئیں۔ کتاب کی جامعیت اور افادیت میں شک نہیں، اس پر مستزاد ڈاکٹر احمد سجاد کا پیش لفظ ہے، عالمانہ اور عارفانہ، ان کا یہ احساس برحق ہے کہ مصنف نے تعمیری ادبی تحریک اور آل انڈیا مومن کانفرنس کے علمی و ادبی اثرات کا غالباً پہلی بار اس قدر بھرپور جائزہ پیش کیا ہے، مقدمہ حقانی القاسمی کے قلم سے ہے جس میں کہا گیا کہ یہ کتاب ایک نئی جہت سے ادب پر غور و فکر کی دعوت دیتی ہے۔ تحریک و تحرک کی لفظی مناسبت میں معنویت اس وقت اور نمایاں ہوگئی جب انتساب مولانا ولی رحمانی امیر شریعت بہار کے نام نظر آیا۔

سماجی برائیوں کا انسداد اور قرآنی تعلیمات (مجموعہ مقالات): زیر نگرانی پروفیسر اشتیاق احمد ظلی، مرتب مولانا اشہد رفیق ندوی، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۴۴۰، قیمت ۳۶۰ روپے، پتہ: ادارہ علوم القرآن، پوسٹ بکس نمبر ۹۹، شبلی باغ، علی گڑھ -۲، دار المصنّفین اور البلاغ پبلی کیشنز دہلی کے مکتبے۔

ادارہ علوم القرآن، اپنے ترجمان رسالہ علوم القرآن کے علاوہ پابندی سے اپنے سمیناروں کے ذریعہ قرآن مجید کی تعلیمات کو عصر حاضر کے مسائل اور تقاضوں کے تناظر میں پیش کرنے کی مبارک کوششوں میں سرگرم عمل ہے۔ ۲۰۱۴ء میں اسی سلسلہ میں ایک سمینار جامعہ ملیہ اسلامیہ میں منعقد ہوا، زیر نظر کتاب میں اسی مذاکرہ کے قریب پچیس مقالات وخطبات کو یکجا کیا گیا ہے، فساد فی الارض گویا تمام سماجی برائیوں کا عنوان ہے، اس میں ظلم و جبر، سماجی تفاخر، استکبار، نفاق، خواص کا بگاڑ، رحم مادر میں بچیوں کا قتل، جنسی استحصال، گداگری، شراب، نشہ، فحاشی، بدکاری وغیرہ ساری برائیاں آجاتی ہیں، مرتب کا خیال ہے اور یہ درست ہے کہ بڑی حد تک مقالات میں ان ساری جہات کا احاطہ کرلیا گیا ہے، ایک اچھی بات افتتاحی کلمات میں یہ آگئی ہے کہ فی الحقیقت برائیوں کے انسداد کی کوشش ایک ایسا مدعا ہے جو برادران وطن کے ساتھ تعاون و اشتراک کی مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔ ادارہ کی دیگر کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی فکر انگیز ہے اور قرآن مجید سے تعلق اور اس سے استفادہ کی راہ ہموار کرتی ہے۔

مناقب رزاقیہ: از استاذ الہند مولانا محمد نظام الدین فرنگی محلیؒ، ترجمہ مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، صفحات ۱۱۲، قیمت درج نہیں، پتہ: مسعودیہ رضویہ دار التحقیق، درگاہ شریف بہرائچ یوپی اور مبارک پور، گھوسی کے مشہور مکتبوں کے علاوہ مولانا سید محمد غوث رزاقی، روناہی ضلع فیض آباد۔

سترہویں صدی کے اواخر اور اٹھارہویں صدی کے اوائل میں اودھ کی سرزمین پر ایک صاحب دل بزرگ نے اپنی خانقاہ میں دل والوں کے لیے معرفت وطریقت کی انگیٹھی گرم کررکھی تھی۔ یہ بزرگ قدوۃ العارفین کے لقب اور سید عبدالرزاق بانسوی کے نام سے مشہور ہوئے، بظاہر وہ علم ظاہری سے بیگانہ تھے لیکن عالم یہ تھا کہ وہ درس نظامی کے بانی استاذ الہند ملا نظام الدین کے شیخ و مرشد تھے۔ ملا صاحب نے مناقب رزاقیہ کے نام سے شیخ کے کمالات روحانی کا ایک مرقع اس وقت تیار کیا جب بقول خود وہ عبودیت کی بلندیوں پر متمکن ہوئے اور ان کا مقدر شیخ بانسوی کی اطاعت وفرماں برداری سے چمکا، مرقع نگار کو یہ اعتراف ہے کہ شیخ کے محاسن بے شمار اور کرامتیں ان گنت ہیں، اس لیے سب تو بیان نہیں ہوسکتے، جو بیان ہوئے وہ اس کتاب میں شامل ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ زیادہ تر کلام، کرامات وغیرہ کے باب سے ہے اور اس موضوع سے تعلق رکھنے والوں کے لیے دلچسپ ہے۔ ع۔ص

رسید موصولہ کتب

۱۔ الشیخ العلامہ ابوالوفاء ثناء اللہ الامرتسری: مولانا عبدالمبین عبدالخالق الندوی، پتہ: المکتبۃ السلفیہ، بی ۱/ ۱۸ا جی، جامعہ سلفیہ مارگ، ریوڑی تالاب، بنارس۔ قیمت درج نہیں

۲۔ تاریخ و تحقیق شعرائے ریختی: ڈاکٹر خلیل احمد صدیقی مشیر، پتہ: ۳/ ۲، اقبال کالونی نارتھ، ندویہ غفور، اندور، ایم پی۔ قیمت ۵۰۰ روپے

۳۔ جرنی آف فیتھ مولانا عبدالماجد دریابادی: مرتبہ پروفیسر اختر الواسع، پروفیسر عبدالرحیم قدوائی، پتہ: شپرا پبلی کیشنز، ایل جی ۱۹-۱۸، پنکج سنٹرل مارکیٹ، آئی پی اکسٹینشن، پاتپر گنج، دہلی-۹۲۔

قیمت ۸۰۰ روپے

۵۔ چراغ شب گزیدہ: جناب الطاف احمد اعظمی، پتہ: البلاغ پبلیکیشنز، ۱۰-اعظمی اپارٹمنٹ، این، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵۔ قیمت درج نہیں

۶۔ خانقاہ اقطاب ویلور کے علمی آثار: ڈاکٹر راہی فدائی، پتہ: ہاؤس نمبر ۱۶۱۶، فورتھ کراس، شیو ارمیہ لے آؤٹ، ایچ بی آر تھرڈ بلاک، کلیان نگر پوسٹ، بنگلورو، کرناٹک۔ قیمت ۲۰۳ روپے

۷۔ فرام ڈارکنس ان ٹولائٹ، لائف اینڈ ورکس آف مولانا دریابادی: عبدالرحیم قدوائی، ناشر: احسن پبلیکیشنز، پوسٹ بکس ۱۱۰۹، اسپرنگس ۱۵۶۰، ساؤتھ افریقہ۔ قیمت ۳۰۰ روپے

۸۔ متاع دین و دانش: مولوی عبدالہادی اعظمی ندوی، ناشر: سید احمد شہید اکیڈمی، دارعرفات تکیہ کلاں، رائے بریلی۔ قیمت درج نہیں

۹۔ منشی نول کشور: حکیم وسیم احمد الاعظمی، عربی ترجمہ و تدوین ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی، ناشر: ریسرچ گیٹ وے سوسائٹی، حیدرآباد سندھ پاکستان۔ قیمت ۱۵۰ روپے پاکستانی

۱۰۔ مولانا عبدالماجد دریابادی کی صحافت کا مطالعہ و تجزیہ: جناب عبدالعلیم قدوائی، پتہ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، مسلم یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ اور زاہدہ منزل ۴/۸۷۳، نیوفرینڈس کالونی، علی گڑھ۔

قیمت ۱۴۳ روپے

تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

کتاب	قیمت
سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	2000/-
سیرۃ النبیؐ	
(خاص ایڈیشن مکمل سیٹ ۷ جلدیں)	2200/-
علامہ شبلی و سید سلیمان ندوی	
مقدمہ سیرۃ النبیؐ	30/-
الفاروق	300/-
الغزالی	200/-
المامون	175/-
سیرۃ النعمان	300/-
سوانح مولانا روم	80/-
شعر العجم اول	150/-
شعر العجم دوم	130/-
شعر العجم سوم	125/-
شعر العجم چہارم	150/-
شعر العجم پنجم	120/-
الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی	350/-
(محقق ایڈیشن) تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	
الکلام	250/-
علم الکلام	180/-

کتاب		قیمت
موازنہ انیس و دبیر		100/-
اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر		100/-
سفرنامہ روم و مصر و شام		200/-
کلیات شبلی (اردو)		180/-
کلیات شبلی (فارسی)		45/-
مقالات شبلی اول (مذہبی)		100/-
مرتبہ: سید سلیمان ندوی		
مقالات شبلی دوم (ادبی)	〃	70/-
مقالات شبلی سوم (تعلیمی)	〃	80/-
مقالات شبلی چہارم (تنقیدی)	〃	200/-
مقالات شبلی پنجم (سوانحی)	〃	150/-
مقالات شبلی ششم (تاریخی)	〃	90/-
مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ)	〃	100/-
مقالات شبلی ہشتم (قومی و اخباری)	〃	110/-
خطبات شبلی	مرتبہ: عبدالسلام ندوی	80/-
انتخابات شبلی	مرتبہ: سید سلیمان ندوی	45/-
مکاتیب شبلی اول	〃	150/-
مکاتیب شبلی دوم	〃	190/-
شذرات شبلی	مرتبہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	220/-

ISSN 0974 - 7346 Ma'arif (Urdu) -Print
April 2017 Vol - 199 (4)
RNI. 13667/57 MA'ARIF AZM/NP- 43/019
Monthly Journal of
Darul Musannefin Shibli Academy
P.O.Box No: 19, Shibli Road, Azamgarh, 276001 U.P. (India)